ارشاداتِ جناح

مُترجمہ

مُفتی غلام جعفر، بی۔ اے

ارشاداتِ جناح

مُترجمہ

مُفتی غلام جعفر، بی۔ اے

بارسوم ——— قیمت تین روپے

ناشر

ادبستان - بیرون موچی دروازہ - لاہور

کواپریٹو کیپیٹل پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام ملک محمد رفیق پرنٹر و پبلشر چھپکر ادبستان لاہور سے شائع ہوئی

فہرست

مَیں مالکانِ "ادبستان" کا شکرگزار ہوں کہ اُنہوں نے ترجمہ "ارشاداتِ جناح" کے لئے، قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند کا مصداق مجھے قرار دیا۔ مَیں نے ترجمہ کا حق کہاں تک ادا کیا ہے؟ اور کس حد تک کامیاب ہُوا؟ اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔ آغازِ ترجمہ سے پہلے تمام تقریریں پڑھ جانے کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ:۔

قائدِ اعظم ——— مسلم لیگ ——— پاکستان

مترادف و ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ قائدِ اعظم کے دم سے حیاتِ مسلم لیگ وابستہ ہے اور مسلم لیگ کی تنظیم و عمل پر تعمیرِ پاکستان کا انحصار ہے، یہی وجہ ہے۔ کہ اسلامیانِ ہند کے دلوں سے یہ صدا بلند ہوئی ہے۔ زندہ باد قائدِ اعظم، زندہ باد پاکستان۔ زندہ باد مسلم لیگ۔

مغربیوں کا اعتقاد ہے۔ کہ عملِ سیاسیات کو دیانتداری سے کچھ بہت سروکار نہیں، یا شاذ مطلق نہیں۔ ہندو اس امر پر اصرار کرتے ہیں۔ کہ مذہب

اور سیاسیات کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا لازم ہے۔ لیکن اسلام حکم دیتا ہے۔ کہ بیک وقت دونوں سے عہدہ برآ ہونا فرض ہے۔ ارشادات جناح کے حقائق و معارف میں نمایاں ترین یہی ہے۔ اور اسلامیان ہند کی طرف سے اسی پر عامل ہونے کا دعویٰ اور وعدہ قائداعظم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامیان ہند دیانت سہ گانہ کے پاسدار ہیں۔ اور ہمیشہ ہوں گے۔ یعنی شخصی دیانت، قومی دیانت، بین الاقوامی دیانت، انہوں نے اپنی تقاریر کے فاتحانہ دورہ میں بار بار اس امر کو سرگرمی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور برطانویوں، ہندوؤں اور دیگر ہندیوں کو بتایا ہے۔ کہ مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان عین دیانت پر مبنی ہے۔ مگر افسوس کہ مخالفین پاکستان کو بین الاقوامی دیانت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ہے وہ مرکزی نقطہ جس کے گرد مسلمانوں کی تمام کوششیں محیط ہیں۔ اور جن کو روز بروز بنانے کے لئے قائداعظم نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ تاآنکہ ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

قائداعظم کی تقریروں کا یہ مجموعہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے تعلیم سیاسیات کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ ارباب دانش بشمول اہل ہنود ان کے مطالعہ کے بعد جب غور کریں گے تو یقین ہے۔ اس رائے کی تائید کریں گے۔ کیونکہ دیانتدارانہ سیاسیات عملی کے انکشاف اور توضیح و تشریح کی یہ غالباً پہلی مثال ہے ——— اور ایک اور اکیلی۔

قدیم یونان اور روما الکبریٰ کی تہذیب و تمدن سے لیکر آج تک اکثریتوں اور اقلیتوں کا جھگڑا ہر زمان و مکان میں چلا آیا ہے۔ اور تاریخ یہ سبق سکھاتی ہے

کہ اس کا منصفانہ فیصلہ ہمیشہ کامرانی کا حامل ثابت ہوا اور اہل فوقیت کا ناروا رویہ اس کے خلاف ـــــ تاریخ اسلام شاہد ہے۔ کہ جب اور جہاں مسلمان اکثریتوں کو غیر مسلم اقلیتوں سے واسطہ پڑا، آخر اللہ کہ کے حقوق کی کامل حفاظت کی گئی۔ قائداعظم اور مسلمان اسی حقیقت پر پاکستان میں عمل کریں گے۔ یہی ہے وہ بین الاقوامی دیانت، جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا۔ اور یہی وہ منطقی نتیجہ جو "اجتماع مذہب وسیاست" کے حصول سے لامحالہ نکلتا ہے، اور جس پر عامل ہوتے کے مسلمان پابند ہیں۔ بلکہ آئین پاکستان کے نفاذ کے وقت عامۃ المسلمین صرف ان مسلمانوں کو اپنا نمائندہ بنا کر مجلس قانون ساز میں بھیجیں گے جو پہلے اس امر کا اقرار صالح کر لیں گے کہ ہم شرع اسلام کے قائم کردہ آئین سلطنت سے سرمو انحراف نہ کریں گے۔ گویا وجود پاکستان کی نوعیت اور جبلت میں اقلیتوں کے ساتھ شیوہ انصاف و طریق راستبازی شامل ہوں گے۔

چنانچہ ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت کے ساتھ منصفانہ سلوک کے متوقع ہوں گے۔ اس مسلم اقلیت کو اگر ہندو یرغمال تصور کریں تو ہمیں اعتراض نہیں بلکہ ہمارے یہ مسلمان بھائی تو ابھی سے اس امر کے لئے تیار ہیں کہ اگر ہم سے اچھا سلوک نہ ہوا تو بلا سے نہ ہو۔ مگر آپ اکثریت کے مسلم صوبوں میں پاکستان ضرور قائم کریں، ان حقائق کے متعلق قائد اعظم کے ارشادات ہندوؤں کے لئے نہایت درجہ غور طلب ہیں، میری رائے میں شاید مسلمانوں سے بھی بڑھ کر ہندوؤں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ لازم ہے۔ اس لئے کہ اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کا یہ مطالبہ خوشی خاطر سے مان لیا۔ تو ہندوستان کے دونوں اہم ترین

مسئلے بخیر و خوبی حل ہو جائیں گے۔ یعنی ہندو اور مسلم کا نفاق حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا اور ہندوستان کی سیاسی آزادی کی راہ نکل آئے گی۔

قائد اعظم نے ان تقریروں میں مسلمان نوجوانوں کو خصوصیت سے مخاطب کیا اور راہ عمل کی طرف بلایا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی قیادت میں معاشری، تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے انتہائی کوشش کی جائے اور اس طرح مسلمانوں کو وہ قوت حاصل ہو کہ اپنا مطالبہ منوانے میں کامیاب ہو سکیں۔ قوت کے سامنے سب سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور پھر قوت بھی وہ قوت جس کی بنیادیں صداقت اور انصاف پر ہوں۔ مجھے اس دیباچہ میں نہ تو تقریروں کا خلاصہ لکھنا مقصود تھا، نہ ان پر تبصرہ کرنا۔ مگر میں نے یہ قطعاً ضروری سمجھا کہ دو ایک نسبتاً اہم نکات پیش کر دوں، اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہے ارشادات جناح کے مطالعہ پر شبان اسلام کو آمادہ کروں۔ کیونکہ انہی کے ہاتھوں میں آئندہ عنانِ حکومت پاکستان ہو گی۔ اور اس وقت بھی جب کہ اسلامیان کہن سال اس کی تعمیر میں مشغول ہیں۔ نوجوانوں کی امداد ناگزیر ہے۔

مبارک ہونگی وہ ہستیاں ——— یار و اغیار دونوں کی ہستیاں، جو قائد اعظم کے بیان کردہ اصولوں کو حرز جان بنائیں گی۔ اور موجودہ شور و شر کے مٹانے کے لئے تعمیر پاکستان میں مدد دیں گی۔

"مترجم"

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے (ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے متعلق مجلس مشترکہ پارلیمان برطانیہ کی رپورٹ پر) مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۷ر فروری ۱۹۳۵ء کو ارشاد فرمائی!

سیاسی پس منظر:۔

ہندوستان کے لئے جدید آئینی اصلاحات کی تجویز و تشکیل کے لئے تین بار راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (گول میز کانفرنس) کے اجلاس لندن میں ہوئے۔ کانفرنس کی بحث و تمحیص کے بعد حکومت برطانیہ نے ایک بیان شائع کیا۔ اور اس میں اپنی تجاویز کی تشریح کر دی۔ اس کے بعد پارلیمان برطانیہ کے دار العوام اور دار الامرا کے چند ممبروں کی ایک مشترکہ مجلس مقرر کی گئی اور مزید بحث کا کام اسے سپرد کیا گیا۔ اس مجلس میں طویل بحث ہوئی۔ بڑے بڑے لوگوں اور مختلف انجمنوں اور فرقوں کے نمائندوں کی شہادتیں لی گئیں۔ پھر شہادتوں پر بھی جرح کی خوب داد دی گئی۔ انجام کار مجلس نے اپنی سفارشات پر مشتمل ایک رپورٹ شائع کر دی۔

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کو سفارشات مذکور پر بحث

اور اظہار رائے کی دعوت دی گئی۔ مجلس مشترکہ پارلیمان کی رپورٹ میں تین امور نہایت اہم تھے۔ ایک یہ کہ مرکزی حکومتِ ہند اجتماعی (فیڈرل) ہو اور اس میں برطانوی صوبے اور ریاستیں دونوں شامل ہوں۔ دوسرے یہ کہ صوبوں کی صوبائی حکومت خود اختیاری (پراونشل آٹونومی) دی جائے۔ تیسرے یہ کہ فرقہ دارانہ تقسیم حقوق کا اصول قائم رہے۔ مجلس نے اس تقسیم کی تفصیل بھی لکھ دی کہ مختلف اغراض اور فرقوں کو مرکزی اور صوبائی مجالس میں کس تناسب سے کیا حصہ دیا جانا چاہیئے۔

جب یہ رپورٹ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی تو بحث نے ایک قرارداد کی صورت اختیار کر لی۔ جس میں رپورٹ کی منظوری کی سفارش کی گئی۔ اس پر کانگرسی ممبروں اور مسٹر جناح نے اپنی اپنی ترمیمات کی تحریک کی۔

یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس بحث میں سب سے زیادہ وزن دار، وقیع، منصفانہ اور حقائق پر مبنی دلائل مسٹر جناح نے انڈیپنڈنٹ پارٹی (آزاد فریق) کے لیڈر کی حیثیت میں پیش کئے۔ اور اسلامیان ہند کی کامل نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ قائداعظم کی سفارشیں نہ صرف قابل عمل تھیں۔ بلکہ اس قدر صحیح کہ کسی دانا سیاستدان کو ان سے اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔

سفارشات مجلس مشترکہ کے متعلق مسلمانوں کے نزدیک

صورت حال مختصراً یہ تھی :-

۱- مرکزی حکومت کے لئے مجوزہ اصلاحات ترقی کی طرف قدم نہیں اُٹھاتیں - بلکہ ملک کو اُلٹے پاؤں چلنا پڑے گا - ان کا امتیاز ترقی نہیں تنزل ہے ان میں نقص و نقصان کا عنصر غالب ہے -

۲- اگرچہ مجوزہ صوبائی حکومت خود اختیاری میں بہت سے قابل اعتراض امور موجود ہیں - مگر بحیثیت مجموعی اسے ترقی یافتہ تجویز کہا جا سکتا ہے - اور صوبوں کو ۱۹۲۱ء کے قانون حکومت ہند سے بڑھ کر اختیارات دئے گئے ہیں -

۳- فرقہ وارانہ فیصلہ اس وقت تک ضرور قائم رکھا جانا چاہیئے جبکہ ہندوستان کے مختلف فرقے باہمی رواداری اور تائید و تصدیق کے ساتھ ایک فیصلہ اپنے لئے خود کریں - اور ایک دوسرے کی رضا و رغبت کے ساتھ اپنے اپنے حقوق اچھی طرح واضح کر دیں -

مسٹر جناح نے اس بحث کے دوران میں دنیا پر ثابت کر دیا کہ وہ معرکہ ہائے سیاست کے وقت لشکر کشی اور سپہ سالاری میں جوہر کامل کے سرمایہ دار ہیں - اور کارزار سیاست میں غضب کے فن کار - پھر لطف یہ کہ دوست دشمن دونوں ان کے اس کمال کا اعتراف کرتے ہیں -

مسٹر جناح کی ترمیم تین اجزاء پر مشتمل تھی - پہلے یہ کہ موجودہ فرقہ دارانہ فیصلہ اس وقت تک قابل قبول رہے - جبکہ تمام فرقے

باہمی سمجھوتہ کر کے ایک نئے فیصلہ پر رضامند ہوں۔ ترمیم کا یہ حصہ حکومت ہند کے ممبروں کی تائید اور کانگریس کی غیر جانبداری کے ساتھ منظور کیا گیا۔

مسٹر جناح کی یہ سفارش کہ مجوزہ صوبائی حکومت خود اختیاری ناقص اور غیر تسلی بخش ہے۔ نیز یہ کہ مجوزہ مرکزی آئین تو قطعاً ناقابل قبول ہے۔ اور اس لئے تجاویز آئین جدید سے خارج کر دینا چاہیئے۔ منظور کی گئی۔ اس وقت کانگریس نے مسٹر جناح کی تائید کی۔

ساری بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا نے تسلیم کیا کہ ترمیم کی منظوری مسٹر جناح کی ذاتی فتحمندی کے برابر ہے۔ اور وہ پارلیمانی مباحثات اور سیاسی ذہن و ذکا میں دورِ حاضر کے بلند ترین مُدبرین اور مفکرین میں سر دفتر کی جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ (یہ حقیقت فراموش نہ ہو کہ اس بحث کے زمانے (۱۹۳۵ء) میں مسٹر چرچل نے ایک سرکردہ قدامت پسند ممبر کی حیثیت میں آئین جدید کی شدید ترین مخالفت کی تھی) اب تقریر ملاحظہ ہو اور یہ بھی دیکھا جائے کہ کس طرح مسٹر جناح تقریر کرتے جاتے ہیں۔ اور جب مخالفین اور موافقین بات کاٹتے ہیں تو اس کا جواب بھی دیتے جاتے ہیں:

مسٹر جناح۔ (صدر کو مخاطب کرتے ہوئے) جناب والا! مَیں آج کے ایسے اہم ترین موقع پر ایوان کو ان حملوں اور غلط بیانیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جن کا نشانہ مجھے بنایا گیا۔ اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق میرے خیالات

اور صحیح منشا کی غلط کیفیت دُنیا کے سامنے پیش کی گئی۔ بہت دن نہیں گزُرے کہ اپنی ۲ر فروری کی اشاعت میں "سٹیٹسمین" جیسے رتبہ اور وقار کے اخبار نے میری نسبت لکھا "کانگرس پارٹی جس کے ہم خیال اور پیرو بہت لوگ ہیں، کو حرکت میں لانیوالی سب سے بڑی چیز نسلی منافرت ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو ہمیشہ مسٹر جناح جیسے حامیان کار بے مانگے اور عین وقت پر گو عارضی ملتے رہیں گے۔" جناب والا! مَیں سٹیٹسمین کے اس بیان کو پُوری قوت کے ساتھ رد کرتا ہُوں۔

(یہاں حزب مخالف کی نشستوں سے آوازیں آئیں —— سُنیئے سُنیئے!!)

میرے دل میں کسی نسل کے لئے کوئی جگہ نفرت کے لئے نہیں۔ (سنیئے! سنیئے!)

(سر محمد یعقوب۔ شرم شرم، اس اخبار کو شرم آنی چاہیئے۔)

مسٹر جناح:۔ اس کے بعد اخبار مذکور یوں لکھتا ہے "مسٹر جناح جو آغاز کار میں گول میز کانفرنس کے ایک سرگرم رکن تھے...... وغیرہ"

جناب والا! مَیں تسلیم کرتا ہُوں کہ شروع میں واقعی مَیں ایک گرم جوش رکن تھا۔ بلکہ آپ کی اجازت سے مَیں یہاں تک کہوں گا کہ سب ممبروں میں پیش پیش تھا۔ مگر یہ بھی واضح ہو کہ مرکز میں اجتماعی حکومت کے لئے میری سرگرمی کا کوئی وجود نہ تھا۔ میرا خیال غلط ہو یا درست، مگر امر واقعہ یہ ہے کہ آئینی تجویز کی تشکیل کے مباحثات کا ابھی آغاز ہی ہُوا تھا۔ کہ میرے دل میں اسکی کامیابی کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس تجویز پر حسب عمل کیا جائے گا تو وہ ہندوستانیوں کی

جائز تمنائے ترقیات کی تشفّی نہ کر سکے گا۔

جناب والا! اخبار مذکور آگے چل کر میری نسبت لکھتا ہے کہ "مسٹر جناح کو اس تجویز سے اس لئے اطمینان حاصل نہیں ہوا کہ انہیں گول میز کانفرنس کے آخری اجلاس میں شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی"۔

بہت سے ممبر:۔ "شرم۔ شرم!"

مسٹر جناح:۔ مجھے کانفرنس میں شامل ہونے کی دعوت نہ دینے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ مَیں شروع سے ہی اس تجویز کی تشکیل کا سخت اور شدید مخالف تھا۔ جو زیرِ غور تھی اور یہ وجہ ہرگز ہرگز نہ تھی کہ مَیں گول میز کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں شمولیت کی دعوت نہ ملنے کے سبب سے تجویز کا مخالف ہو گیا۔

جناب والا! اس قسم کا جھوٹ بولنا۔ اس طرح اشارۃً یا کنایۃً مجھ پر الزام لگانا۔ اور ایسے غلط خیالات کا اظہار کرنا کسی اخبار کے شایانِ شان نہیں۔ بشرطیکہ وہ اخبار کہلانے کا مستحق ہو۔

سر ہنری کریک:۔ اُمید ہے کہ معزّز مقرّر مجھے اخبار کے ان بیانات کا ہمنوا نہیں سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ وہ اس وقت تقریر کرتے کرتے میری طرف دیکھتے جاتے ہیں مجھے اخبار کے ان فقرات سے کوئی واسطہ نہیں۔ مَیں اپنے رفیق کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فقرے جو انہوں نے پڑھ کر سُنائے اس سے پہلے میری نظر سے گزرے ہی نہیں۔ مَیں نے تو یہ بھی نہیں سُنا تھا کہ اس قسم کا کوئی مضمون طبع ہُوا ہے۔ اور حقیقت میں آج پہلا موقعہ ہے

کہ میں نے اس کی نسبت اپنے معزز دوست کی زبانی سُنا۔

سر محمد یعقوب:۔ "مگر اب قیاس غالب ہے کہ جناب ہوم ممبر صاحب (سر ہنری کریک) مسٹر جناح کے ان خیالات کی ضرور تائید کریں گے جن کا اظہار وہ اخبار کے متعلق کر رہے ہیں۔"

مسٹر جناح:۔ جناب والا! بہتر یہی ہے۔ کہ میں نے جو کچھ کہا۔ اسی پر اکتفا کروں۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی معزز ہوم ممبر صاحب کو ہدفِ ملامت نہیں بناتا۔ یہی نہیں بلکہ میں مضمون نگار کے علاوہ کسی انگریز کو بھی اس نکتہ چینی کا نشانہ قرار نہیں دیتا۔ جو میں نے اخبار کے متعلق روا رکھی۔

سر ہنری کریک۔ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔

مسٹر جناح۔ میں سردست اس کے متعلق اور کچھ نہیں کہوں گا۔

جناب والا! اب میں نفس بحث کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلے میں ان آراء پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا جو میرے معزز دوست اور حزب مخالف کے لیڈر مسٹر ڈیسائی نے پیش کیں۔

جناب والا! میں ان کی تائید کرنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ وہ قرارداد کو قطعی طور پر خارج از عمل بتاتے ہیں۔ اور اسے قابل رد قرار دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ان کا منشا ٹھیک سمجھا۔ وہ کہتے ہیں مجلس مشترکہ پارلیمان برطانیہ کی زیر بحث رپورٹ اور سفارشات کو بنیاد ٹھہرا کر کسی قسم کا نیا آئینی قانون وضع نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر ہم مسٹر ڈیسائی کی

رائے قبول کر لیں تو سارا جھگڑا ہی پاک ہُوا بلکہ وہ خود مانیں گے کہ کوئی بات ہی باقی نہ رہی۔ انتہا یہ کہ فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق ان کی غیر جانبداری کا بھی کوئی موقع موجُود نہ رہیگا۔ چنانچہ مَیں ان سے پوچھتا ہُوں کہ جب آپ نے جدید آئین کی تجویز کو سر سے پاؤں تک کلی طور پر رَد کر دیا تو پھر فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق آپ کی غیر جانبداری کیوں نہ بے معنی سمجھی جائے؟

جناب والا! مَیں مسٹر ڈیسائی کی یہ رائے قبُول نہیں کر سکتا۔ انہوں نے تجویز تو قطعاً رد کر دی مگر اس کا کوئی بدل پیش نہ کیا۔ بدل تو میرے پاس بھی کوئی نہیں لیکن ان کی ترمیم کی تائید بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ جو صُورت حال انہوں نے اختیار کی ہے "کلام نفی" کے برابر ہے۔ اس میں اثبات کا نام و نشان تک نہیں۔

جناب والا! اس نفی، اس انکار کے پیش نظر میں اپنی ترمیم کی تحریک کرنے پر مجبُور ہُوا ہُوں۔ میری ترمیم فرقہ دارانہ فیصلہ کو تسلیم کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ یاد رہے کہ صرف اس وقت تک جب کہ سارے فرقے باہمی اتحاد و اتفاق سے ایک فیصلہ پر پہنچ جائیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے ہندو احباب موجُودہ فرقہ دارانہ فیصلہ کو تسلی بخش نہیں سمجھتے۔ مگر مَیں ایوان ہذا کی خدمت میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں کو بھی اس فیصلہ پر اطمینان نہیں ——— (سنیئے! سنیئے) کیونکہ یہ فیصلہ اُن کے جملہ مطالبات کو نہیں مانتا۔ اگر میری نسبت پوچھیں تو مَیں بھی ذاتی طور پر اس سے خاطر جمع نہیں ہُوں۔ میری وضعداری کی آشتی اس وقت ہو گی جب کہ ہم لوگ فرقہ دارانہ

فیصلہ کی تخلیق خود کریں گے۔

ایک ممبر:۔ (طعن کے لہجہ میں) شکریہ! مہربانی!

دیگر آوازیں۔ (بطور تحسین) سنئے۔ سنئے!

مسٹر جناح۔ محض شکریہ بے کار۔ بندہ نواز! میری بات پر غور کیجئے۔ سوال یہ ہے کہ میں فرقہ دارانہ فیصلہ کو ناپسند کیوں کرتا ہوں؟ میں اس کے متعلق واقعات دہرانا نہیں چاہتا۔ مگر ایوان کی خدمت میں ضرور یہ عرض کرونگا کہ میں اس فیصلہ کو اس لئے قبول کرتا ہوں کہ باہمی سمجھوتے کے لئے جہاں تک ہم سے بن پڑا ہم نے کیا۔ مگر کوئی متحدہ فیصلہ نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ لامحالہ یہی ہو سکتا ہے کہ خواہ مجھے یہ فیصلہ پسند ہو یا ناپسند مگر اسے ماننے کے سوا چارہ کار نہیں۔ وجہ یہ کہ اس کے بغیر کوئی جدید آئین وضع کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

(سرکاری نشستوں سے آوازیں۔ سنیئے! سنیئے!)

پس میں کہتا ہوں کہ رپورٹ کو بالکل رد کرنے کے زبانی ادعا کو مہربانی فرماکر پیش کرنے سے باز آئیے۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ سردست اور کم سے کم عارضی طور پر اس فیصلہ کو جوں کا توں رہنے دیجئے۔

میں ان امور میں حزب مخالف کے معزز لیڈر کی دل سے تائید کرتا ہوں کہ ہمیں مذہب کو سیاسیات میں مخل ہونے کی اجازت نہ دینا چاہیئے۔ اسی طرح نسل کے مسئلہ کو بھی سیاسیات سے الگ رکھنا لازم ہے۔ اور اس کے علاوہ زبان کا سوال بھی چنداں اہم نہیں۔ مگر میں کہوں گا کہ اگر ان امور پر ایک ایک کرکے اور الگ الگ نگاہ ڈالیں۔ اور سیاسیات سے ان کی

علیحدگی لازم قرار دیں تو ایک بات ہے ــــــ واقعی یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب کا معاملہ افراد اور خدا کے مابین ایک ذاتی تعلق سے متعلق ہے۔ مگر میں اپنے معزز دوست سے ایک بار پھر پوچھتا ہوں کہ آئین جدید کی تشکیل محض مذہب فقط زبان یا صرف نسل سے غرض ہے؟ نہیں۔ جناب والا نہیں۔ دراصل یہ فیصلہ طلب معاملہ جو زیر بحث ہے ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ اور اس کو اقلیتوں سے واسطہ ہے۔

(چند مسلمان ممبر۔ یہ بھی کہیئے کہ تہذیب و تمدن سے متعلق ہے)

جناب والا! کیا دنیا میں ایسے ممالک موجود نہیں جہاں اقلیتوں کے مسائل موجود نہ ہوں؟ کیا وہاں ان کا مقابلہ نہیں کیا گیا۔ اور انجام کار وہ حل نہیں کئے گئے؟ ہمیں یہ بھی مسئلے حل کرنے ہی پڑیں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ اقلیتیں کسے کہتے ہیں۔ اقلیتوں کی ہستی متعدد حقائق کے اجتماع کا نام ہے۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ کسی ملک کے اندر کسی اقلیت کا مذہب اس سرزمین کے باقی سب شہریوں سے مختلف ہو۔ اقلیت کی زبان، نسل، اور تہذیب بھی جداگانہ ہو۔ پھر اس طرح ان مختلف النوع عناصر یعنی مذہب، زبان، نسل، تہذیب، فنون لطیفہ، موسیقی اور طرز معاشرت کے اجتماع نے اس اقلیت کو ایک متمیز اور مکمل وحدت دے رکھی ہو۔ اور اس واحدانی ہستی کا یہ تقاضا ہو کہ اس کی بقا کے لئے بعض تحفظات موجود ہوں۔ اگر صورت حال یہ ہو تو کیا یہ لازم نہیں کہ ہم اقلیتوں کی ہستی کو ایک سیاسی مسئلہ قرار دیں۔ اسے حل کر کے رہیں اور اس سے بچنے کی کوشش نہ کریں۔

جناب والا! میرے معزز دوست نے دوران بحث میں ایک بات بطور کلام صادق پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "تحصیل پہلے اور تقسیم پیچھے" یعنی پہلے حاصل تو کر لیں پھر تقسیم بھی ہو جائیگی۔ مَیں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ ان کے اس بیان میں بہت بڑی منطقی غلطی ہے۔ یہ تحصیل اور تقسیم کا سوال نہیں۔ یہ کسی اراضی کا قضیہ نہیں کہ پہلے اس پر قابض ہونا چاہئیے۔ یہ کوئی کاروبار نہیں کہ ہمّت کر کے پہلے کچھ منافع حاصل کریں اور پھر جو کچھ ہاتھ لگے اسے بطور مال غنیمت آپس میں بانٹ لیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر ہم ان کے اس ادعا کو بفرض محال درست بھی مان لیں تو ان کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ مہاتما گاندھی نے موت کا برت رکھا اور تمام ہندوستانی لیڈروں کی آمادگی اور رضا و رغبت کے ساتھ اس "معاہدۂ پونا" کو وجود میں لا کر دم لیا جو فرقہ وارانہ فیصلہ کے ضمن میں ہندوؤں کی پسماندہ جماعات سے متعلق تھا۔

(سنیئے! سنیئے!)

ان لوگوں کو کیوں نہ کہا گیا کہ دیکھئے پہلے حاصل تو کر لیں پھر تقسیم بھی کر لیں گے (سنیئے! سنیئے) بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی راستی پر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ ہندوؤں کی نسل سے تھے۔ واقعی یہ پانچ چھ کروڑ انسان ہندو ہیں۔ ہاں میں اس معاملہ میں مہاتما گاندھی کو سچا سمجھتا ہوں۔ اور ان کی تائید کرتا ہوں۔ میں نے انگلستان میں مہاتما گاندھی سے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجا کی کہ پسماندہ ہندوؤں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں، اُن سے مت چھینئے۔ مگر اُنہوں نے

میری ایک نہ سُنی۔ اور کہا تو یہی کہا کہ مَیں ہندوؤں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کروں گا۔ مَیں نے بار بار منّت سماجت کی اور یقین کیجئے کہ مَیں نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں ان جماعتوں کے حقوق کی اس قدر وکالت کی کہ مسلمانوں کی بھی نہ کی ہوگی۔ مگر مہاتما گاندھی نے انکار کیا اور شدید انکار —! پھر بھی غنیمت ہے کہ انجام کار مہاتما گاندھی کو پسماندہ ہندوؤں کے حقوق کا خیال ہو گیا۔ مَیں اپنے ہندو بھائیوں کو اس امر پر مبارک باد کہتا ہوں کہ انہوں نے پسماندہ ہندوؤں کی حفاظت کے لئے تحفظات منظور کئے۔ ان لوگوں کو اپنا ہمنوا اور مددگار بنا لیا اور آج مہاتما گاندھی ان کے سُود و بہبُود کیلئے کوشاں ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس قسم کا سلوک ہم مسلمانوں سے روا رکھئے۔ آئیے ہم اور آپ ایک دوسرے کے مُمد و معاون بن جائیں۔ مسلمان ایسی شرکت کیلئے تیار ہیں۔ (سنیئے! سنیئے!) مَیں فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ اب مَیں اپنی ترمیم کی جانب رُخ کرتا ہوں۔ اس ایوان کے محترم لیڈر نے اپنی تقریر میں مجھے بڑی شدت سے مطعون کیا۔ اور میری رائے کو قابل ملامت ٹھہرایا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ حزب مخالف کے لیڈر کی پیش کردہ ترمیم کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ترمیم کنندہ کی دیانتداری پر مبنی ہے۔ مگر میری ترمیم کو ذلیل و ادنیٰ قرار دیا......

سر این سرکار۔ بلکہ پُر فریب۔ مکاری اور دغا پر مبنی ہے —!

مسٹر جناح۔ ان کی تقریر نے مجھے یہ بات یاد دلائی کہ جب ایک کم لیاقت وکیل کو کسی جھوٹے دعوے کی وکالت کرنی پڑتی ہے۔ تو وہ فریق مخالف کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ اسی طرح ایوان کے لیڈر نے مجھے گالیاں دینے سے

اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ مگر ہمیں یہ نہ بتایا کہ میری ترمیم کن وجوہ سے بُری ہے۔ اور کیوں ادنیٰ، ذلیل اور پُر فریب ٹھہرائی جانے کی مستحق ہے؟

سر این سرکار۔ مَیں ساڑھے تین بجے بتاؤں گا۔

مسٹر جناح۔ خُوب! یہ ہے آپ کا داؤ پیچ؟ مگر ان حیلوں سے آپ ایوان کیساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اگر آپ ہائی کورٹ میں ہوتے اور اپنے جواب کی تیاری کیلئے اس طرح وقت ڈھونڈتے تو ایک بات تھی۔ میرا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت ہند اپنے تمام دلائل صاف اور کھلے طور پر بیک وقت پیش کر دے۔ اور مجھے پہلے یہ بتائے کہ میری ترمیم کیوں پُر دغا ہے۔ کیوں ادنیٰ اور ذلیل ہے۔ اسے کیوں دیانتداری سے بعید بتایا جا رہا ہے۔

سر این سرکار۔ مَیں نے دلائل بیان کر دئیے ہیں۔

مسٹر جناح۔ نہیں، آپ نے بیان نہیں کئے آپ کا دعویٰ یہی ہے نا، کہ اسمبلی نے مسٹر جناح کی ترمیم کا تیسرا جزو منظور کر لیا۔ یعنی یہ کہ مجوزہ آئین میں مرکزی اصلاحات اور فیڈریشن کے قیام کی سفارش اور تجویز رد کر دینی چاہیئے۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے۔ کہ ترمیم نے عمارت کی بنیاد اکھاڑ دی۔ اور اوپر کی منزل قائم رہی۔ اور ہمارے لئے صرف یہ کام باقی رہا کہ اس کے دروازوں کے شیشے اور دریچے بدل دیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے۔ تو مَیں پوچھتا ہُوں کہ آپ نے سفارشات زیر بحث کا مطالعہ بھی کیا ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ معاملہ زیر بحث نہ کسی بنیاد سے متعلق ہے نہ کسی منزل سے۔ یہ محض آپ کی داستان گوئی ہے۔ جائیے اور یہ کہانیاں بچوں کو سُنائیے (بلند قہقہہ)

اس عمارت میں کسی منزل یا بالائے منزل کا وجود موجود نہیں۔ اور میں یہ حقیقت ابھی واضح کرتا ہوں۔ ہم کیا کر رہے ہیں۔ یہی کہ ایک آئینی تجویز کی تعمیر میں مصروف ہیں، جو پہلے تو صوبوں پر حاوی ہوگی پھر مرکزی حکومت پر۔ یہ دونوں چیزیں بجا ہیں یعنی فرش زمین پر منزل کوئی نہیں۔

مجھے یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر میری ترمیم منظور کی گئی تو ساری تجویز دسفارش گر جائے گی۔ مگر یہ سفارشیں اور تجویزیں یا مجوزہ قانون خود کیا کر رہا ہے؟ مشترکہ پارلیمانی رپورٹ خود کیا کہتی ہے؟ یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلے صوبائی حکومت خود اختیاری (پراونشل آٹو نومی) وجود میں لائی جائے گی۔ یعنی اس وقت جبکہ قانون وضع کر دیا جائیگا۔ یا اس کے بعد بہت جلد۔ مگر فیڈریشن (اجتماعی حکومت) فوراً قائم نہ ہوگی۔ میرا قیاس ہے کہ اس کو قائم ہوتے ہوتے دو تین سال گذر جائینگے۔ بلکہ پانچ برس تک لگ جائیں تو عجب نہیں۔ خود رپورٹ اور (اس کے پیشرو) قرطاس ابیض (وہائٹ پیپر) میں لکھا ہے کہ صوبائی حکومت خود اختیاری کے کامل عمل دخل کے بعد بھی اجتماعی حکومت کے قیام کے متعلق مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور شرائط بھی ہیں جن کا پورا کرنا لازم ہے۔ والیان ریاست کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر ان کی شمولیت کی شرائط کا طے کرنا باقی ہے۔ نیز متعدد اور امور ہونگے جنہیں طے کرنا پڑیگا۔ مزید براں مشترکہ پارلیمانی رپورٹ کے صفحہ ۲۸۶ پر ہم یہ عبارت دیکھتے ہیں۔

غالباً یہ امر مناسب یا ممکن ہے کہ ضروری سمجھا جائے کہ مرکزی

حکومت میں تبدیلیاں کرنے اور والیان ہند کے شامل ہونے سے پہلے جدید صُوبائی حکومتیں وجُود میں لائی جائیں۔ مگر خود مختار صوبوں کا معرض وجود میں آنا مرکز میں کامل اجتماعی حکوُمت قائم کرنے کی جانب پہلا قدم ہوگا۔ جس کے لئے "قانون آئین" دفعات وضع کریگا۔ اور ملک معظم کی حکوُمت نے بیان کیا ہے کہ اگر ہمارے قابوُ سے باہر اسباب ایسے پیدا ہو گئے جو اس پروگرام کے عمل میں رکاوٹیں پیدا کریں تو کامل صورت حال پر از سر نو غور کیا جائے گا۔ پس "قانون آئین" میں بعض دفعات وضع کی جائینگی۔ اور یہ اس مدّت پر حاوی ہوں گی جو فیڈریشن کے مکمل قیام اور صوبائی حکوُمت اختیاری کے مابین حائل ہوگی ـــــ اس مقصد کے لئے ان عارضی انتظامات کی نوعیت کی تشریح ان تجاویز کے پیراگراف ۲۰۲ میں کر دی گئی ہے۔"

مسودہ قانون کے اس اندراج کے پیش نظر کہنا چاہیئے۔ کہ مرکز میں اجتماعی حکوُمت کا وجود پھر بھی معطل ہی رہا۔ چنانچہ یہ پارلیمان کے ہر دو ایوان کی رائے پر منحصر ہوگا۔ اور چند شرائط کا پُورا کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اس کے متعلق میں آپ کو یہ جواب دیتا ہوُں۔ مہربانی فرما کر اس تجویز پر عمل کرنے سے ہاتھ اُٹھائیے۔ یاد رکھئیے کہ میں تجویز فیڈریشن ہی کے متعلق کہہ رہا ہوُں اور اصرار اور تاکید کے ساتھ کہ اسے روک دیجئے۔ مَیں ان حالات یعنی رکاوٹوں کا انتظار نہیں کرنا چاہتا جو فیڈریشن کی راہ میں حائل ہونگی۔ میری قوت فیصلہ کہتی ہے کہ وہ حالات ابھی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ بلکہ

ہو چکے ہیں۔ اور سنیئے وہ حالات یہ ہیں۔ مَیں نے آپ کی تجویز کا مطالعہ کیا ہے۔ اور مَیں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کامل طور پر کرم خوردہ ہے اس کی بنیاد ہی بیہودہ اور بُری ہے۔ اور قطعاً ناقابل قبول (ایک آواز۔ کیوں؟) مجھے یہ کہا جاتا ہے کہ مسودہ قانون تمام وکمال ترک کر دیا جائیگا۔ مَیں اس سوال کا جواب طلب کرتے ہوئے آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ مَیں مرکز کے متعلق ساری تجویز کا کیوں مخالف ہوں۔ میرا جواب یہ ہے (صاحب صدر کو مخاطب کرتے ہوئے):۔

جناب والا! پہلے تو آپ اپنے ہی الفاظ پر غور کیجیے۔ اس حیثیت میں نہیں کہ آپ اس ایوان کے صدر ہیں بلکہ اس حیثیت میں کہ ایک ملکی مدبر ہیں۔ ایک بہت بڑے لیڈر ہیں اور اسمبلی میں انڈیپنڈنٹ پارٹی (آزاد پارٹی) کے بھی لیڈر۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ "تجویز کامل طور پر خلاف حقائق ومعارف ہے۔ مصنوعی ہے اور اس کی مثال دُنیا بھر کے کسی آئین میں نہیں ملتی"۔ مَیں اس میں اضافہ کرتا ہوں۔ یہ تجویز ان تمام بنیادی اور لازمی عناصر، نیز ان اصولی اور قطعی ضرورتوں سے معرّا ہے۔ جو کسی فیڈریشن کے قیام کیلئے لازم ولابد ہوتی ہیں۔ میری دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ تجویز والیان ہند کی شمولیت کے لئے ایسی شرائط پیش کرتی ہے۔ اور ان کو شمولیت سے پہلے قطعی طور پر وجود میں لانے پر مصر ہے۔ جو بلاشک وشبہ برطانوی ہند کے اغراض بالاترین اور مقاصد اولین کے منافی ہیں۔ میری نسبت یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ مَیں والیان ہند کے خلاف ہوں، مگر مَیں ان کے خلاف نہیں ہوں۔ مَیں کسی شخص کا بھی مخالف نہیں۔ مَیں برطانوی ہند کا رفیق ہوں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ

مَیں والیانِ ہند سے بے تعلق رہنا چاہتا ہوُں۔ مَیں اس امر کا اظہار بار بار کر چکا ہوُں کہ میں ایک آل انڈیا فیڈریشن (کل ہند کی اجتماعی حکومت) کی مخالفت نہیں کرتا۔ اور آنریبل ممبر معاملات داخلہ (ہوم ممبر) بجا طور پر کہہ چکے ہیں کہ خود مہاتما گاندھی بھی آل انڈیا فیڈریشن کے مخالف نہیں ہیں۔ ان حقائق سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جب مَیں یہ کہوُں کہ مَیں تو فیڈریشن کے خلاف نہیں ہوں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے کسی ایسی تجویز کو قبول کرنے پر مجبوُر کریں جو آپ نے اختراع کی ہو خواہ کتنی ہی بُری اور ناقابلِ قبول کیوں نہ ہو۔ کیا یہ ہے آپ کی دلیل؟ اصل معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہم آل انڈیا فیڈریشن کے خلاف ہیں بلکہ کس قسم کی فیڈریشن کے خلاف ہیں؟ میں اس ایوان میں صاف طور سے یہ کہنا چاہتا ہوُں کہ مَیں آل انڈیا فیڈریشن کے لئے کسی تجویز پر جو موجُودہ تجویز کی بدل ہو غور کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ البتہ یہ بدل برطانوی ہند کے اغراض و مفاد کے حق میں ہونا چاہیئے۔ اور اگر میری تشفی ہو جائے کہ اس کا قبول کر لینا اچھا ہے تو مجھے بیحد خوشی ہو گی۔ میں اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ اس ناممکن العمل شرائط کے پیشِ نظر جن پر والیانِ ہند نے اپنی شمولیت کا انحصار قرار دیا ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ ہم فیڈریشن کے نام کے شایان شان کوئی فیڈریشن مرتّب کر سکیں۔ اس لئے مَیں کہتا ہوں کہ اس تجویز پر بحث کئے جانا بے فائدہ ہے۔ ہم چار سال تو یہ کام کرتے رہے ہیں۔ ایک طرف تو والیانِ ہند نے اپنی آخری شرط، لازمی شرط (الٹی میٹم) بطور فیصلہ حتمی بتا دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں"۔ پھر دُوسری

طرف برطانوی حکومت نے اپنے تحفظات کے متعلق فیصلہ صادر کردیا ہے۔ جسے ایک دیوار فولاد کہیئے۔ ہمارے لئے اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ میں ان دونوں کے درمیان ہوں۔ آپ اسے قبول کرنا چاہتے ہیں اور اسے فیڈرلیشن پکارتے ہیں۔ اس تجویز کو اس نظر سے دیکھنا تو طریق انصاف نہیں اس لئے میں مجبور ہوں کہ تجویز کو ناقابل قبول ٹھہراؤں۔ رہے آنریبل ہوم ممبر صاحب، انہوں نے اپنی نیک نیتی کے متعلق جو کچھ کہا۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہے۔ میں انکی اپیل کی قدر کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ کس جذبۂ صداقت سے انہوں نے اپیل کی ہے۔ میں ان سب امور کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کی سچائی پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ "اس تجویز کو قبول کرو اور اسے عمل میں لاؤ"۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "جب نور نہ تھا تو حضرت موسیٰ پر کیا گزری؟ وہ ظلمات میں ہی رہے"۔ اس پر میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں نور ہے؟ کیا آپ اس حالت کو روشنی کہیں گے؟ نہیں جناب! حضرت موسیٰ ابھی اندھیرے میں ہی ہیں۔

آنریبل مسٹر کریک۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم (اراکین حکومت) نے نہیں بلکہ کانگریس پارٹی نے بتی بجھا دی۔

مسٹر جناح۔ جب یہ کہتے ہے ہوم ممبر کا، حکومت کا مطلب نکلتا ہو کہ کانگریس سارے ہند کی نمائندہ ہے تو وہ یہی کہتے ہیں لیکن جب مقصد اس کے خلاف ہو تو وہ کہتے ہیں کہ کانگریس والے محض بلوہ کرنے والے لوگ ہیں۔ اور ملک میں ان کی اقلیت ہے۔ اندریں حالات میرا مقام

کیا ہے؟ یہ سب لوگ (مسلمان ممبروں اور باقی سارے ایوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہاں ہیں؟ (ہم سب کیا کہیں اور کیا ہیں؟) یہ دلیل جو آپ دے رہے ہیں بعید از انصاف ہے۔ ہمارے ملک کے چند آدمیوں کے بیانات کو لینا۔ اسے اس جدید آئین کے جبراً عائد کرنے کی بنا اور دلیل ٹھہرانا پھر ہمیں کہنا کہ تمہیں اسے قبول کرنا چاہیئے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کیا مَیں اس کے جواب میں ایسا ہی طریق اختیار نہیں کر سکتا اور نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے مسٹر چرچل، لارڈ لائڈ جارج، سر مائیکل اوڈوائر اور سر ریجینلڈ کریڈک اور اسی طرح کے دوسرے انگریزوں کے بیانات پر بھی غور کیجئے۔ اگر میں انہیں کو زیرِ نظر رکھ کر جواب دوں تو کیا میرا یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ میں انگریزوں کو دھکے دے کر ہندوستان سے نکال دونگا۔ کسی قسم کی بحث کی گنجائش ہی نہیں۔" اب سوال یہ ہے کہ مَیں نے ایسی بات کہی؟ نہیں، مگر برطانوی حکومت ہے کہ وہ ہم پر ایک ایسا آئین جبراً عائد کرنے کا عزم رکھتی ہے جس کی نسبت وہ بھی جانتی ہے اور مَیں بھی کہ موجودہ مروجہ آئین سے بدتر ہے۔ ہماری رضا کے خلاف کیوں یہ آئین ہم پر ٹھونسا جا رہا ہے؟ یہ ٹھیک نہیں کہ محض ایک پارٹی کے قول وفعل کو بنیاد بنایا جائے۔ اور ہندوستان کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کیا جائے۔ یہ محض ایک بہانہ ہے۔ مَیں نے اس مسئلہ کا مطالعہ کامل ذمہ داری اور انتہائی احتیاط کے ساتھ کیا ہے اور مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ آئین قطعی طور پر قربان کرتا ہے۔ اس سیاسی نشوونما کو اور اس تمام جدوجہد کو جو گزشتہ پچاس سال میں ایک ذمہ وار نمائندگی کے اصول پر قائم کی ہوئی

حکومت حاصل کرنے کے لئے برطانوی ہند نے کی۔ کسی صوبے سے بطور صوبہ مشورہ نہیں لیا گیا۔ نہ رضامندی حاصل کی گئی نہ یہ پوچھا گیا کہ آپ جو کہ مرکزی اجتماع (فیڈریشن) میں شامل ہونے والی اکائیاں ہیں، کیا اس میں شامل ہونا چاہتی ہیں؟ اور ان شرائط پر جن کا فیصلہ حکومت برطانیہ اور والیانِ ہند نے کیا ہے؟ میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔ یہ آئین کسی کی بھی تسلی و تشفی نہیں کرتا۔ اور یقین کیجیے کسی کے بھی کم سے کم مطالبات نہیں مانتا۔ اگر اس پر عمل کیا گیا تو بلاشبہ تلخی اور بغض وعناد کا باعث ہوگا۔ اور نام نہاد مرکزی فیڈرل مجلس قانون ساز میں تنازعات برپا ہوا کریں گے۔ میں والیانِ ہند سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ دوسروں کی مصیبت اپنے سر لینے کے لئے تیار ہیں۔ میں ان سے یہ اپیل کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے وہ ذمہ داری جو آپ نے مرکزی حکومت کے لئے تجویز کی؟ آپ فیڈریشن میں کس شرط پر شامل ہونے کے لئے تیار ہیں؟ کیا اس شرط پر کہ "بہت اچھا ہم شامل ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ مرکزی مجلس آئین ساز کو حقیقی طور پر اور نہایت ہی معقول حد تک ذمہ دار بنایا جائے"۔ مگر بتائیے تو کہ مجوزہ آئین میں اس ذمہ داری کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ خوب سمجھ لیجیے کہ اس میں تو اٹھانوے فیصدی تحفظات ہیں اور فقط دو فیصدی ذمہ داری۔ جناب والا! میں والیانِ ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ معاملہ کے اس پہلو پر غور کریں۔

اب تحفظات کو دیکھیے (جو برطانوی حکومت، وزیر ہند اور وائسرائے کے قبضہ میں ہونگے) میں قانون کی مختلف دفعات کو نہیں لیتا۔ میں دو فقروں میں ان کا

خلاصہ پیش کرتا ہوں "ریزرو بنک۔ سکّہ۔ شرح تبادلہ؟" ان کے متعلق یوں کہیے کہ ہمارے لئے کچھ نہیں (ہماری مرکزی فیڈرل مجلس قانون ساز کا اختیار نابود) ہاں تو "ریلوے بورڈ؟" کچھ نہیں، کچھ نہیں، یہ پہلے ہی کامل طور پر رہن کر دیا گیا ہے۔ اچھا تو باقی ہمارے لئے کیا رہا؟ ہاں "فسکل آٹو نومی کنونیشن" تو دی گئی۔ یعنی خالی خود اختیاری، مگر رواجاً، نہ کہ قطعاً قانوناً (قہقہہ) مگر اس کے بعد بھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ یعنی ڈیفنس (دفاع) معاملات خارجہ۔ مگر یہ محفوظ رکھے گئے ہیں۔ ہم بے دخل۔ اب رہا مالیات کا معاملہ —— صاحب! یہ بھی پہلے ہی رہن کیا جا چکا ہے۔ اب آئی ہمارے میزانیہ (بجٹ) اور آمد و خرچ کے مدّات کی باری۔ اس پر نگاہ ڈالیے کہ یہاں اندک و بسیار، تھوڑا یا بہت، کچھ تو ہمارے قبضہ کے لئے ہوگا۔ ہم یہاں کیا دیکھتے ہیں۔ گورنر جنرل کی خاص ذمہ واری اور اس کے اختیاراتِ دخل اندازی، پھر گورنر جنرل کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ قانون سازی میں دخل دے۔ اور ضرورت پڑے تو اپنے غیر معمولی اختیارات عمل میں لائے اور اپنی خاص ذمہ واری سے کاربرآری کرے۔

جناب والا! ان تحفظات کے بعد ہمارے لئے کیا باقی رہتا ہے؟ مجلس قانون ساز کیا کیا کرے گی؟ آنریبل ہوم ممبر نے مجوزہ فیڈریشن کی تائید کرتے ہوئے موجود مروّجہ آئین کو ہمارے لئے باعث توہین و تذلیل بتایا ہے اور ناقابل برداشت قرار دیا ہے۔ میں بھی ان کی تائید کرتا ہوں اور یہی الفاظ کہتا ہوں لیکن بقول لارڈ ریڈنگ وہ مجوزہ جدید آئین جو مجھ کو، ہندوستان کو دیا جا رہا ہے موجودہ آئین سے کہیں بڑھ کر باعث توہین و تذلیل ہے۔ اور ناقابل برداشت!

اب سنیئے کہ بقول شخصے حزب مخالف کے لیڈر وہی کام کر رہے ہیں جو مسٹر چرچل چاہتے ہیں۔ یعنی جدید آئینی تجاویز کا قلع قمع کرنا۔ غالباً میری نسبت یہ بھی کہا جائے گا۔ ہاں ضرور کہا جائے گا کہ یہ شخص آئین جدید کو تباہ کر رہا ہے۔

مسٹر کریگ۔ آپ اسی کام میں مشغول ہیں۔

مسٹر جناح۔ مَیں آنکھیں کھول کر، سوچ سمجھ کر یہ کام کر رہا ہوں۔

سر نرپی پندرا ناتھ سرکار (سرکاری ممبر قانون) ہر وقت ممکن ہے کہ آپ اپنی بات سے پھر جائیں۔ مگر مسٹر چرچل نہیں بدلیں گے۔

مسٹر جناح۔ مجھے اس امر سے کوئی غرض نہیں کہ جناب ممبر قانون بدل جائیں گے یا مَیں پھر جاؤنگا۔ میرا مقصد اس اہم موقع پر، اس نازک وقت میں اظہار رائے ہے جو مَیں کامل ذمہ واری اور انتہائی وضاحت کے ساتھ اور پورے غور و فکر کے ساتھ کر رہا ہوں۔ مجھے ممبر قانون کی اس دھمکی سے بھی بحث نہیں کہ ساری تجویز ترک اور خارج کر دی جائے گی۔ وہ اس کے متعلق لاعلم ہیں (قہقہہ) خود حکومت ہند آگاہ نہیں۔ دیدہ و دانستہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ ہم جانتے ہیں بیکار ہے۔ مَیں ان سے کوئی اپیل نہیں کرنا چاہتا۔ بقول ہوم ممبر آخری فیصلہ پارلیمان برطانیہ کے ہاتھ میں ہے حکومت ہند اور باشندگانِ ہند کا اختیار کچھ نہیں چنانچہ میرا اظہار رائے، پارلیمان کی آگاہی اور امداد کے لئے ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے گی تو نتائج و عواقب کی ذمہ وار خود ہو گی۔ اس لئے ہوم ممبر کے اس بیان کے جواب میں کہ مسٹر چرچل کا مقصد پورا کر رہا ہوں یہ کہوں گا کہ اگر آپ میرا مطلب غلط سمجھنا چاہتے ہیں

اور میری رائے کی غلط ترجمانی دنیا کے سامنے لانے کے خواہشمند ہیں تو آپ کا اختیار ہے۔ میں آپ کو نہیں روکتا مگر اصل بات یہ ہے کہ میں اور میرے ہم خیال لوگ مسٹر چرچل سے متفق نہیں ہیں۔ مسٹر چرچل مطلق نہیں چاہتے کہ مرکزی حکومت کی حالت بہتر بنائی جائے۔ مگر مجوزہ آئین کو مرکز کے لئے غیر موزوں قرار دیتے ہیں اور اس لئے اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل ہند کے ساتھ مشورہ کرتے ہوئے اس سارے معاملہ پر نظر ثانی کی جائے اور ہمارے ملک میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے (بلند آواز میں دیر تک نعرہ ہائے تحسین) یہ ہے اصلی فرق اس لئے ہمارا مطلب دیدہ دانستہ غلط بیان کرنا لاحاصل ہے۔

جناب والا! مجوزہ مرکزی آئین عہد شکنی کے برابر ہے۔ اس سنجیدہ اور پرخلوص اعلان کی نفی کرتا ہے۔ جو وائسرائے لارڈ اروِن نے کیا۔ جس کا نام آج لارڈ ہیلی فیکس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بقول مسٹر شاستری انہوں نے نام کی تبدیلی کے ساتھ اپنی رائے بھی بدل دی ہے (قہقہہ) اعلان مذکور ان کا ذاتی اعلان نہ تھا اور ملک معظم کی حکومت کی طرف سے ان الفاظ میں کہا گیا تھا۔ کہ "ملک معظم کی حکومت وہ تجاویز پارلیمان میں پیش کرے گی جن کو زیادہ سے زیادہ مشترکہ رضامندی حاصل ہو" میں پوچھتا ہوں کہ صدق دل سے بتایئے کہ کیا ان تجاویز کو اہل ہند کی زیادہ سے زیادہ مشترکہ رضامندی حاصل ہوئی ہے؟ یہ ممکن ہے کہ ان کو پارلیمان برطانیہ کی قدامت پسند پارٹی کی زیادہ سے زیادہ رضامندی حاصل ہوئی ہو۔ مگر اعلان مذکور کے الفاظ یہ تو نہ تھے۔ اس لئے میں کہوں گا کہ جس رضامندی سے منشا تھا مطلق حاصل نہ ہوئی۔

ان کے علاوہ مباحثات کی پہلی منزلوں میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہندوستان ایک برابر کا حصہ دار بنایا جائے گا۔ مگر حال میں اس لفظ کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ جناب والا! کیا یہ ہے برابر کی حصہ داری جو پیش کی جا رہی ہے؟ برطانیہ کے ساتھ ہماری "برابر کی حصہ داری" اور "تعاون" کے معنی یہ لئے جا رہے ہیں کہ "سنو! ہم تمہیں برابر کا حصہ دار برابر کہیں گے۔ مگر تمہیں کرنا وہی ہوگا جس کا ہم حکم دیں۔ بیشک تعاون اور باہمی خیر خواہی کا رشتہ قائم رہے گا۔ بشرطیکہ تم جو کچھ ہم کہیں یا کریں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اسی کا نام تعاون اور خیر خواہی ہے۔"

جناب والا! میں آغاز کار میں ہی جانتا تھا۔ اور اب میرا یقین اس وقت سے بھی بڑھ گیا ہے کہ آل انڈیا فیڈریشن کے قیام کی ترکیب اور حیلے سے اصل مقصد یہ ہے کہ برطانیہ کے بجائے ہوئے جلد یہ آئین ہند میں مرکزی حکومت کو ذمہ داری نہ دی جائے ہم غلط راستے پر ڈال دئے گئے۔ ہر شخص نے جو کچھ بھی صاحب ہوش ہے فوراً دیکھ لیا ہوگا یا کچھ عرصہ بعد اسے احساس ہوا ہوگا کہ وہ تجویز جو ہمارے سامنے لائی گئی ہے اور جسے تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ ہم نے کیا ہے دراصل قابل تشکیل نہیں ہے۔ اول تو آغاز کار میں جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ چیز ناممکنات میں سے ہے۔ مگر اب تو مجوزہ امور سے ایک بدبخت خبیثانہ چکر بن گیا ہے۔ یعنی صوبائی خود مختاری، فیڈرل نظام اور مرکز میں ذمہ داری، یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے پر منحصر کر دی گئی ہیں۔ اور مرکزی ذمہ داری سے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ "اگر آپ ان تجاویز کو مع فیڈرل

نظام کے قبول نہیں کرتے تو صوبائی خود مختاری سے ہاتھ اٹھائیے۔ اور جب یہ نہیں تو مرکزی ذمہ داری کیسی؟ چنانچہ سارا معاملہ یہیں ختم کر دیا جائیگا"۔

میں اس ایوان کو کہتا ہوں کہ میری تیسری ترمیم کا مدعا بالکل ظاہر ہے اور محدود، میں تجاویز کو رد کرتا ہوں اور ملک معظم کی حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اہل ہند سے مشورہ کیا جائے اور سارے معاملہ پر نظر ثانی کی جائے۔ میرے دوست مسٹر موڈی نے کہا ہے کہ جس تغیر و تبدل کے ہم خواہشمند ہیں اسے ابھی یہاں کیوں نہ پیش کیا جائے؟ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اور بلاشبہ یہ ایوان میری تائید کریگا کیونکہ یہ حقیقت ضبط تحریر میں آچکی ہے کہ جب پہلی گول میز کانفرنس میں ہم نے بعض مشورے دیئے اور تجویزیں پیش کیں تو یہ سینکی رپورٹ پر منتج ہوئیں مگر ہم نے اہم ترین سفارشات اور تجاویز میں میں سے اکثر و بیشتر کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد دوسری گول میز کانفرنس میں ہم نے ایک بار پھر مشورے اور تجویزیں پیش کیں۔ مگر یہ کانفرنس نتائج کے اعتبار سے پہلی سے بدتر ثابت ہوئی۔ مزید براں یہ اہم ترین بات کہی گئی۔ کہ ہندوستانیوں کی تجاویز اور مشورے ان کے لئے تو مفید ہوں گے مگر ہمارے لئے غیر مفید۔ چنانچہ ہماری تجاویز کو بے اثر کرنے کے لئے خاص تحفظات ایجاد کئے گئے۔ اب تیسری گول میز کانفرنس کی سنیئے۔ یہ پہلی دونوں سے بدتر نکلی۔ اس کے بعد پارلیمانی مجلس مشترکہ کی باری آئی۔ میں ان ہندوستانیوں کی نسبت جو اس میں شریک ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ محبان وطن نہ تھے۔ یہ لوگ جن سے میں کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ

رکھوں میری نظروں میں بہت قابل احترام ہیں۔ انہوں نے انتہائی کوشش کی اور بقول مسٹر شاستری یہ لوگ میرے دوست مسٹر موڈیٹی کی مثال نہ صرف لاعلاج خوش فکر تھے بلکہ حکومت کے ساتھ تعاون کے مرض مزمنہ کے شکار۔ ان کو مایوسی کے باوجود یہ امید تھی کہ ہم اہل برطانیہ اور مدبرین برطانیہ کی منصف مزاجی سے اپیل کر سکیں گے اور کامیاب ہو سکیں گے۔ چنانچہ وہ امید کرتے چلے گئے۔ تاآنکہ ناکام ہوئے اب انہوں نے ایک یادداشت مرتب کی۔ اور اس میں وہ ہندو، مسلمان، پارسی اور دوسرے سب جو اعتدال پسندی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے سب شامل ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ کم سے کم ہماری ان معمولی سی تبدیلیوں کو بروئے کار لایا جائے۔

جناب والا! اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ یادداشت کہاں ہے؟ ردّی کے ٹوکرے میں۔ پس میری رائے میں ہماری وضعداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بے یارو مددگار ہونے کے باوجود بڑھتے چلے جائیں۔ ہم یہ تجویز دیکھ چکے ہیں اور ہم اسے منظور نہ کریں گے۔ میں مزید ڈھیل، ڈھال، ٹال مٹول نہیں چاہتا اور اپنی قطعی رائے کا اظہار صاف طور پر کرتا ہوں۔ ہمیں دھمکی دی جاتی ہے کہ "کیا آپ ہمیشہ اندھیرے میں ہی رہنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ ہمیشہ کسی قسم کے آئین کے بغیر گزارا کرنا پسند کرتے ہیں؟" میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ دھمکیاں مجھے نہ پریشان کر سکتی ہیں، نہ اظہار رائے سے باز رکھ سکتی ہیں اور آپ اگر چاہیں تو اس تجویز کو جامہ عمل پہنانے میں مشغول رہیں۔

جناب والا! مجھے امید ہے کہ اب ایوان اس حقیقت کو تسلیم کریگا۔ کہ میں طفلانہ ضد نہیں کر رہا اور نہ دوسروں کو مجبور کر رہا ہوں کہ وہ میری رائے سے اتفاق کریں۔ الغرض ان واقعات کے پیش نظر ہمیں لازم ہے۔ کہ اپنی رائے کے اظہار میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رکھیں۔ رہے تحفظات، ان کی نسبت آنریبل ممبر قانون نے کہا ہے کہ یہ استعمال میں نہ لائے جائیں گے۔ میرے پاس وزیر ہند کی تقریر موجود ہے۔ میں اس میں سے اقتباسات پیش نہیں کرتا۔ مگر انہوں نے کہا ہے کہ تحفظات استعمال میں لائے جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں۔ ——"خوب یاد رکھیئے! ہماری پشت پر تمام ملازمین شاہی ہیں اور انجام کار ساری فوج بھی ہوگی۔ یہ تحفظات برابر استعمال کیے جائیں گے۔" پھر مجھے یہ کہنے سے کیا حاصل کہ ان کا استعمال نہ ہوگا۔

جناب والا! سر جوزف بھور کی اپیل —— ان کی ذاتی اپیل بھی قابل غور ہے۔ میں ان کی دل سے قدر کرتا ہوں اور ان کی رائے کا احترام، انہوں نے فرمایا کہ "اس تجویز سے امکانی فائدہ حاصل کیجئے"۔ مگر جب انہوں نے اپنی تائید میں ابراہیم لنکن جیسے عظیم الشان اور بلند فکر محب وطن کے خیالات پیش کئے تو میں کہہ اٹھا "لیجئے شیطان کتاب مقدس کے اقوال سنا رہا ہے"۔ میں پوچھتا ہوں "کیا اسی قسم کی صورت حال و واقعات سے جو ہمیں درپیش ہیں۔ لنکن بھی دوچار تھا؟"

جناب والا! مجھے اپنی تیسری ترمیم کے متعلق بس اتنا ہی کہنا تھا۔

میری دوسری ترمیم صُوبائی حکومت خود اختیاری سے متعلق ہے۔ معزز اراکین میرے اس رجحان کو نگاہ لپسندیدگی سے دیکھیں گے کہ میں اس پر بحث کرنے کے دوران میں کسی قسم کے زائد اور بے تعلق کوائف سے متاثر نہیں ہوں گا۔ ورنہ میں یقیناً حزب مخالف کے لیڈر سے اتفاق کرتا اور کہتا کہ صُوبائی خود مختاری بھی منظور کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مَیں راستی پر ہُوں یا غلطی پر، مگر بلا تامل کہوں گا کہ میرے نزدیک صُوبوں کی تجاویز زیر بحث ہیں بلاشبہ موجُودہ صوبائی اختیارات سے بڑھ کر اختیارات دئے گئے ہیں۔ یہ ترقی کیا ہے؟ اوّل رائے حق دہندگی کی توسیع اور رائے دہندگان کی تعداد میں معقول اضافہ۔ یہ چیز ہر قسم کے آئین کی بنیاد ہوتی ہے۔ میری رائے میں یہ ترقی اختیارات ہے۔ دوم یہ کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تمام ممبر بذریعہ انتخاب مقرر ہوں گے یہ بھی ترقی ہے۔ صوبوں میں کابینہ حکومت کے تمام وزیران ہی انتخاب کردہ ممبروں میں سے لئے جائیں گے۔ اور کابینہ کو مجلس کے سامنے جواب دہ رکھا گیا ہے۔ پھر خود مجلس بھی رائے دہندگان کے سامنے جواب دہ ہو گی۔ یہ طریق کار بھی عین ترقی ہے۔ مگر چند قابل اعتراض امور بھی موجُود ہیں۔ مثلاً بعض صُوبوں میں دوسرے ایوان کی تخلیق اور گورنر کے اختیارات۔ میرے خیال میں ایوان کے آنریبل لیڈر (سرکاری سرکردہ ممبر جو مباحثات میں حکومت کی وکالت کرتا اور رہبریات میں پیش پیش رہتا ہے) نے یہ کہنے میں غلطی کی کہ مَیں نے صرف گورنر کی خاص ذمہ واری سے بحث کی ہے۔ بلکہ امر واقعہ

یہ ہے کہ میری ترمیم گورنر کی خاص ذمہ داری پر محدود نہیں ہے۔ بلکہ مزید برآں بعض نہایت درجہ قابل اعتراض امور سے متعلق ہے۔ بالخصوص دوسرے ایوان کی تخلیق اور خاص ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے گورنر کے اختیارات۔ مَیں گورنر کی خاص ذمہ داری سے متعلقہ اختیارات، اور پھر ان اختیارات کے مابین جو اسے اپنے کابینۂ وزرا کے فیصلہ کے خلاف عامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں کوئی فرق یا تمیز نہیں پیش کرتا۔ میرے نزدیک وہ قواعد بھی قابل اعتراض ہیں جو پولیس اور محکمۂ تفتیش خفیہ (سی۔آئی۔ڈی) سے متعلق ہیں۔ یہ ہیں وہ امور جن کی بنا پر مجوزہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے مابین تمیز روا رکھتا ہوں۔ اور میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَیں صوبائی تجویز کے یہاں تک خلاف ہوں کہ اسے بھی نامنظور کرتا ہوں۔ الغرض میں کہتا ہوں کہ ہماری سفارش کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں۔ اور اگر یہ تبدیلیاں کی گئیں تو......"

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کیا اس کا امکان ہے؟ آپ کو کوئی اتفاقیہ موقع ملنے کی اُمید ہے۔

مسٹر جناح۔ مَیں اتفاقات پر انحصار نہیں رکھتا۔ مَیں اس وقت قمار بازی نہیں کر رہا۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ آپ کر رہے ہیں۔

مسٹر جناح۔ نہیں ہرگز نہیں۔ مَیں صرف اظہار رائے کر رہا ہوں۔ مَیں یہاں کوئی کھیل نہیں کھیل رہا جس میں کسی نفع کا حصول محض اتفاقات

کا شرمندہ احسان ہو جہاں تک میری قوت فیصلہ سے ممکن ہے میں اپنی رائے کا اظہار دیانت کے ساتھ اور بلا رُو رعایت کر رہا ہوں اور حقائق و معارف کے عین مطابق، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ تبدیلیاں کیجئے۔ میرا خیال ہے کہ حزب مخالف کے آنریبل لیڈر کی رائے میں میری ترمیم کا مدعا بھی نامنظوری ہے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ (بیٹھے بیٹھے) ایوان کے لیڈر بھی یہی کہتے ہیں۔

مسٹر جناح۔ کیا آپ کو کچھ کہنا ہے؟

(مسٹر جناح بیٹھ جاتے ہیں مگر مسٹر ستیہ مورتی کوئی جواب نہیں دیتے۔ پھر مسٹر جناح تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں) جب حزب مخالف کے لیڈر نے یہ کہا کہ میری تیسری ترمیم بھی قطعی نامنظوری کی رائے دیتی ہے تو ان کا نقطۂ نگاہ محض قانونی تھا۔ ان کا خیال ایک حد تک تو ضرور درست ہے۔ مگر کس حد تک؟ سنیئے! وہ مختاران برطانیہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ آپ نے ایک پیشکش کی ہے، مگر جہاں تک مجھے دخل ہے میں اس پر نگاہ نہیں ڈالنا چاہتا، یہ اس قدر بری ہے اور مجھے اس سے اتنی نفرت ہے کہ میں اس پر یا اس کے حصے پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مسٹر ڈیسائی۔ (لیڈر حزب مخالف) میں نے اس پر نگاہ تو ڈالی مگر قابل نفرت پایا۔

مسٹر جناح۔ ہاں تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اس پر غور کرنا ناپسند کرتے ہیں اور انہوں نے اس سے چھٹی پائی۔ مگر جناب والا! میں اس کے مقابلہ

میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اس کا امتحان کیا ہے اور جہاں تک صوبوں کو دخل ہے یہ بری ہے ۔ مگر مرکزی تجویز قطعی طور پر اور بنیادی لحاظ سے ہی بری ہے پھر بھی میں معاملہ کو یہیں ختم نہیں کرتا بلکہ تجویز کا بدل اپنی تجویز پیش کرتا ہوں کیونکہ یہ میرا فرض ہے نیز یہ کہ میں قطعی نامنظوری نامناسب سمجھتا ہوں اب آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ آپ کیا چاہتے ہیں ؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ہمیشہ کیلئے ظلمات میں رہنا نہیں چاہتے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ " یہ ہے آپ کی تجویز کا بدل میری طرف سے " قصہ مختصر یہ کہ صوبائی تجویز میں تغیر و تبدل کیجئے مرکزی تجویز کو قطعاً ترک کر ڈالئے اور اہل ہند کے رائے و مشورہ کے ساتھ ساری صورت حالات پر نظر ثانی فرمائیے اور اس میں آپ کا منشا یہ ہو کہ برطانوی ہند میں کامل ذمہ دارانہ حکومت کا قیام وجود میں آئے ۔ جناب والا ! میں خاتمہ کلام کرتا ہوں ۔

(نعرہ تحسین)

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مُسلم یونیورسٹی یُونین کے اجلاس منعقدہ
۵ رفروری ۱۹۳۸ئ میں ارشاد فرمائی۔

مگر اسے قائم رکھو کیونکہ ہم باہمی رضامندی سے اس کا کوئی بدل مرتب نہیں کر سکے۔ آؤ ہم مل کر اس اہم ترین کام کی طرف توجہ دیں"۔ مگر کسی نے میری بات نہ سُنی۔ اور جب میں تخلیقِ اتحاد کے لئے ہر ممکن وسیلے سے کام لے چکا اور ناکام ہو چکا تو اب یہ معلوم کرنے لگا کہ اصل صورتِ حالات کا تقاضا کیا ہے؟ میں نے دیکھا کہ ادھر تو آئینِ جدید کی آمد آمد ہے اور ادھر ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک ہم کچھ نہیں کر سکے اس پر مجھے نومیدی و یاس نے بیباک کر دیا اور میں نے اپریل ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد کیا۔ یہاں ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں انتخابات میں ایک فریقِ متخاصم بننا چاہیئے۔ ہر طرف سے ہماری مخالفت ہونے لگی۔ کانگریس نے مخالفت کی۔ انتہا یہ کہ بہت سے مسلمان بھی ہماری مخالفت سے باز نہ آئے۔ ہماری بنیادی اور اوّلین (پرائمری) منظم جماعتیں موجود نہ تھیں۔ لیگ کے وسائل ناکافی تھے۔ مگر انتخابی لڑائیاں لڑیں اور ایک معقول حد تک کامیاب ہوئے۔ اس کے باوجود ہماری اپنی اکثریت کے بعض صوبوں کی مجالس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی نہ تھی۔ بہرحال ہم نے اپنے عمل کے طفیل جس کا امتیاز عزمِ راسخ اور استقلال تھا اور جسے ہم نے اپریل ۱۹۳۶ء سے اختیار کر رکھا تھا بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اسے حیرت انگیز کہیں تو بجا ہے۔ (نعرۂ تحسین)

آئیے! ہم اپنی حالت کا ایک بار پھر اندازہ کریں۔ پہلے دفتری حکومت کو لیجئے۔ اس کے مختارانِ کار کہتے ہیں کہ قدیم رواج کے مطابق مسلمانوں پر ہم ایک حق حاصل کر چکے ہیں۔ اور اگر جناح نام والا یہ شخص دخل انداز ہوا تو

یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان ان کے قبضہ سے نکل گئے ہیں لیکن اختیارات بھی ایک حد تک فرقہ اکثریت کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کی امداد کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ ان کو بھیڑیوں کے آگے ڈال رہی ہے۔ بہرحال اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے برا نہیں۔ میں خوش ہوں کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی حد تک برطانوی حکومت کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے۔ لیکن اب ایک اور طاقت میدان میں آئی ہے۔ جو برطانوی حکومت کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ آپ اسے چاہے جس نام سے پکاریں مگر اصل یہ ہے کہ یہ حکومت ہنود ہے۔ یہ لوگ ہندو ہیں اور ہندو راج طلب کرتے ہیں۔

سیاسیات کی زبان کا امتیاز ہے۔ نرم گفتاری مگر غلط گوئی۔ اس لئے میں سیدھی سادی بولی میں بات چیت کرتا ہوں۔ کانگریس کے رجحان کا خلاصہ یہ ہے۔ "مسلم لیگ خوشامدیوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک رجعت پسند انجمن ہے۔ اور انگریزوں کی شہنشاہی مملکت کی ممد و معاون ہے۔" ان الفاظ میں لیگ قابل ملامت قرار دی جاتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ لیگ نے کیا کیا؟ صرف یہ کہ موجودہ حالات کے پیش نظر صوبائی آئین سے اس کی حیثیت اور قدرت کے مطابق مستفید ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کے برعکس کانگریس کا یہ فیصلہ تھا کہ جدید آئین پارا پارا کر دیا جائے گا۔ کانگریس نے لیگ کو صبر آزما قرار دیا۔ حالانکہ لیگ نے پورے زور شور سے قومی پروگرام اختیار کیا تھا۔ ہم کوشش کرتے

تھے کہ مُسلم لیگ کو کامل طور پر مُسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنائیں۔ کانگرس نے اپنے اخبارات میں میرے مُدّعا کو دیدہ دانستہ غلط طور پر پیش کیا۔ اور مجھے بدنام کیا۔ کانگرسی کہتے تھے کہ جناح سچا ہو تو ہو مگر اس کے رفقائے کار حکومت کے خوشامدی اور تابع فرمان ملازم ہیں جو اسے نگل جائیں گے۔ مزید برآں جب کبھی مطلب کا موقع آتا مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بظاہر درست بہانہ بنالیا جاتا۔ کانگرس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہریلا کر دیا۔ وہ فریب خوردہ یہ سمجھنے لگے کہ کانگرس ہی کامل آزادی کی علمبردار ہے۔ اور افلاس اور فاقہ مستی کی بلائیں اسی کے ہاتھوں دُور ہونگی۔ مگر کانگرس کا اصل مدعا کیا تھا؟ یہی کہ برطانوی حکومت سے بعض عہد و پیمان حاصل کرے جس میں وہ ناکام ہوئی۔ بایں ہمہ وہ اسی آئین کو عمل میں لارہی ہے اور اس سے فائدہ اٹھارہی ہے جسے تباہ کرنے کا دعویٰ اس نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ کیا۔ کانگرس نے مسلمانوں کے ساتھ بھی طرح طرح کے احمقانہ قول و قرار کئے تھے۔ ایک صوبے کے کانگرسی وزیر اعظم نے یہاں تک کہہ ڈالا تھا کہ اگر کسی مسجد کی ایک اینٹ کو بھی کسی نے چھیڑا تو اپنی جان لڑا دوں گا۔ یہ جذبہ بیحد شریفانہ تھا۔ مگر اسی مدعی کے صوبے یعنی بہار میں حقیقت حال کیسی رہی؟ مروّجہ اور مقررہ طریق انتخاب منسوخ کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پچھلے انتخاب میں ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے ہم محض قول و قرار اور خیر خواہی کے اظہار پر انحصار نہیں کرسکتے۔ سیاسیات کی دُنیا کا دستور ہے کہ اگر آپ طاقتور ہیں۔

تو آپ کے لئے محبت، دوستی اور پاس خاطر سبھی کچھ ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی کمزوریوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یا یوں بھی کہیئے کہ آپکی قوتوں سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے؟

جب کوئی شخص آپ کو کہے کہ "دیکھیئے! ہندوستان میں افلاس کس قدر شدید ہے اور فاقہ مستی کیسی ہیبت ناک۔ آئیے پہلے اس دلخراش اور زہرہ شگاف حالت کو دُور کریں۔ جب یہ نہ ہُوا تو اور چیزوں سے کیا حاصل؟ کانگرس کی جد و جہد کا منشا یہ ہے کہ کامل آزادی حاصل کی جائے۔ اور ایک اشتمالی (کمیونسٹ) اور اشتراکی حکومت قائم کی جائے۔ محض اقتصادی مسئلہ ہی وہ مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں۔" ایسی باتیں سُن کر آپ کی رگِ ہمدردی یقیناً حرکت میں آئے گی۔ بعض اوقات خود میرا دل ہل گیا۔ الغرض کانگرس والوں نے ان باتوں کا ڈھول ہمارے کانوں میں خوب پیٹا۔

اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ بیک جنبش قلم برطانوی حکومت اور ہندوستان کے زمینداروں اور سرمایہ داروں کا قلع قمع کرسکیں گے تو کوائف یورپ پر نگاہ ڈالیئے۔ جرمنی میں ہٹلریت کے نظام یا آمریت کا عمل و دخل کا باعث اشتراکی اور اشتمالی تحریکات ہوئیں۔ یہی کیفیت اٹلی کے اندر فاشیئت کی سمجھیئے۔ ہسپانیہ میں خانہ جنگی کا سبب کیا چیز ہے؟ یہی امر فیصلہ طلب، یہی مسئلہ اہم، جب کانگرس کے پریذیڈنٹ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنا حیرت انگیز پروگرام کب پورا کرکے دکھلائیں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ "اپنی زندگی کے اندر اندر"۔ پھر اس میں یہ اضافہ فرمایا کہ "جب ہم اختیارات پر قابض ہو جائیں گے تو

جس طرح سے بھی ہو سکے گا ہم آئین کو تباہ کر کے رہیں گے"۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ جو نام نہاد اختیارات آپ کو اس وقت حاصل ہیں صرف ان کو ہی آپ کب تک سنبھال سکیں گے؟

ہم ہندوستانیوں کو مدت سے یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ برطانوی پارلیمانی جمہوریت بہترین طرزِ حکومت ہے۔ چنانچہ ہم پر عائد شدہ آئین بیش وکم برطانوی نمونے پر مرتب کیا گیا ہے۔ مگر سیاسی لحاظ سے اہل برطانیہ اور باشندگانِ ہندوستان میں ایک خاص فرق عظیم ہے۔ برطانیہ میں اکثریت اور اقلیت کی پارٹیاں ہمیشہ بدل سکتی ہیں بلکہ ان کی شکل وصورت میں تغیر وتبدل اکثر دیکھا گیا ہے آئے دن ایک پارٹی کے تھوڑے یا بہت اراکین کسی دوسری پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اگر آج قدامت پسندوں کی حکومت نظر آتی ہے۔ تو اگلے دن لبرل مدبرین کی اور تیسرے روز حزب العمال یعنی مزدوروں کی۔ مگر ہندوستان پر یہ بات صادق نہیں آسکتی۔ یہاں ہندوؤں کی مستقل اکثریت موجود ہے اور باقی لوگ چند اقلیتوں میں منقسم ہیں۔ یہ لوگ قیامت تک اکثریت حاصل نہیں کر سکتے۔ اکثریت اگر چاہے تو یہ مروت کر سکتی ہے کہ اپنے آپ پر "غیر فرقہ داری" کا سرنامہ (لیبل) چسپاں کرے۔ مگر حقیقت میں اس کی طرح اور اس کا عمل دونوں ہندوانہ ہی پائے جاتے ہیں۔ اقلیتوں کو امید فلاح ہو سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ اپنی تنظیم کریں۔ اور اپنے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے اختیارات کا ایک مقرر حصہ قبضے میں لائیں۔ ہندوستان کے اندر کوئی آئین اس قسم کے اختیار کے بغیر کامیابی کے ساتھ عمل پذیر نہیں ہو سکتا۔

میری اپیل آپ سے یہ ہے۔ لیگ کے پلیٹ فارم پر آئیے۔ اگر مسلمان آپس میں متحد و متفق ہوں گے تو آپ کی امید اور اندازے سے کہیں پہلے سمجھوتہ ہو جائے گا۔ اتفاق باہمی سے آپ اپنا مطالبہ آزادی سب سے تسلیم کرا سکیں گے۔ آپ کے صرف چند مہینوں کے کام اور محنت سے لیگ کا نام ارض ہند کے اطراف و اکناف میں گونجنے لگا ہے۔ سب اس سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لاکھوں مسلمان لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ہمارے خلاف ہیں جلد ہی محسوس کرنے لگیں گے کہ ان کو دھوکا ہو رہا ہے اور ان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ ماسوا اس کے کہ لیگ میں شامل ہوں اور اس طرح سب کے سب مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو۔

(نعرہ تحسین)

لیگ نے مسلمانوں کو ان کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلوائی ہے اور ایسی رائے کی تخلیق کر دی ہے کہ وہ لوگ جو خود غرضی سے اپنی ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے تھے قومی غدار ہیں۔ لیگ نے آپ کو مولویوں اور ملاؤں کے ناکارہ عناصر سے بھی رہا کر دیا ہے۔ میں مولویوں کی جانب من حیث الجماعت اشارہ نہیں کر رہا۔ ان میں بعض مخلص ہیں۔ اور محبانِ وطن۔ مگر ان کا ایک طبقہ واقعی بُرا ہے۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت، کانگرس، رجعت پسند مسلمان اور مولوی و ملا ان چاروں سے رہائی پانے کے بعد اب آپ فرقہ اناث کو قید و بند سے چھڑائیں۔ یہ قطعاً ضروری ہے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم اہل مغرب

کی نقالی کریں اور بیہودگیاں اور خرابیاں اختیار کریں۔ ہرگز نہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری مستورات ہماری زندگی میں نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی حصہ لیں۔ (نعرۂ تحسین)

لیگ کے مختارانِ کار اور عہدے دار ایسے اچھے نہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں اور ہو سکتے ہیں۔ مَیں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتا۔ یہ کہنا کہ فلاں شخص اچھا اور فلاں بُرا، بے کار و بے مصرف ہے۔ اگر آپ واقعی گرم جوش ہیں تو لیگ میں شامل ہو جائیے اور اصلاح کیجئے۔

مجھے یقین ہے اور آپ میری تائید کریں گے کہ کانگرس کی حکمت عملی مسلمانوں میں تقسیم و تفریق پیدا کرنا ہے۔ یہ وہی پرانی برطانوی تدبیر و ترکیب ہے۔ کانگرس والے اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ میری اس بات کو دل میں جگہ دیجئے کہ اگر آپ مسلمانوں کے مابین کامل اتحاد پیدا نہ کریں گے۔ چاہے اس کی قیمت کتنی بھی اور کیسی ہی کیوں نہ دینی پڑے تو مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنا بگڑا ہُوا گھر بنانا چاہیئے۔ اگر آپ کارکنانِ لیگ کی مدد کریں تو ہم یہ بگڑی بات خاطر خواہ طور پر بنا سکیں گے۔

جنابِ صدر! آپ نے مجھے ایک عظیم الشان پیغامِ امّید دیا ہے۔ ہاں قدم بڑھائیے! قدم، پھر دُنیا میں کوئی طاقت آپ کی راہ میں حائل نہ ہو سکے گی۔ میں اپنے سامنے سپاہیوں کی بھرتی کے لئے بہترین علاقہ دیکھتا ہوں۔ لاکھوں مسلمان آل انڈیا مسلم لیگ کے لائحہ عمل کو کامیاب

بنانے اور اس کے احترام و وقار کا پھریرا اُڑانے کی خاطر کوشش موفور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک کارواں اور کارکن سپاہی تیار کرنے کے لئے کم سے کم ایک سال درکار ہے۔ اور ایک افسر کے لئے پانچ برس کی حاجت ہوگی۔ زیر نظر مسلمان بہت بڑی قوت کے سرمایہ دار ہیں۔ مگر یہ قوت ہنوز خوابیدہ ہے۔ ان لوگوں کو کام کی طرف راغب کرنا چنداں مشکل نہیں۔ مگر ان کی طاقتوں کو یکجا کر کے میدان عمل میں لانا اور ان کا ایک لشکر بنانا محنت طلب ہے۔ مگر آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ انجام کار مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین ایسا کیا فرق ہے کہ ہم کام کی داد نہ دے سکیں، اگر واردھا کل ہی ایک فیصلہ کر کے احکام صادر کرے تو فی الفور لاکھوں ہندو اس پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر مسلم لیگ کوئی فرمان جاری کرے، تو نتیجہ کیا ہوگا؟ چونکہ مسلمان کافی حد تک نہ سازوسامان سے آراستہ ہیں نہ تربیت یافتہ۔ بدیں وجہ تعمیل حکم کے لئے لاکھوں مسلمان پیدا کرنا مشکل ہوگا۔ برطانوی حکومت ہمیشہ اس امر پر غور و فکر کرتی رہتی ہے کہ کانگرس کیا کر رہی ہے۔ اور ہماری حکمت عملی کا اثر اس پر کیا ہوگا۔ مگر کیا برطانوی حکومت آپ کے افکار و اعمال کی پرواہ کرتی ہے؟ ہرگز نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک منظم طاقت نہیں ہیں۔ پس لازم ہے کہ آپ اپنی طاقت کو نشوونما دیں۔ اور اپنی یک جہتی قائم کریں۔

مسلم لیگ کا عزم راسخ ہے کہ آزادی جیت لے۔ مگر یہ

آزادی صرف اربابِ قوت اور صاحبانِ فوقیت کے لئے نہ ہو گی، اُن مسلمانوں کے لئے بھی جو آج کمزور و مجبور ہیں۔

(دیر تک نعرہ ہائے تحسین!)

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مسودہ ترمیم قانون فوجداری پر
مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۲۳ راگست ۱۹۳۸ء کو ارشاد فرمائی۔

جناب والا! آج کی بحث میں اس قدر گرما گرمی روا رکھی گئی ہے۔ اور جوش و ولولہ دکھایا گیا ہے کہ اس برق وش فضا میں ٹھنڈے دل سے دلائل پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اپنی پارٹی کی رائے چاہے وہ قابلِ قدر ہو یا بے وزن اس ایوان کی خدمت میں پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کی بحث میں جس نسبت سے جذبات اُکسائے جائیں گے۔ اور گرمی دکھائی جائے گی۔ اسی نسبت سے دلائل و براہین اور عام فہمید گی کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہ کچھ رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ حزب مخالف کے لیڈر نے بعض ایسے الفاظ استعمال کئے جن کا زبان پر نہ لانا ہی بہتر تھا۔ ہاں اگر کوئی معمولی یا پس رُو ممبر ایسی باتیں کہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔

بہر حال میں جناب لیڈر کے دعویٰ اور دلائل کو لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص کو جو مجوزہ قانون کی تائید کرے نادم اور شرمسار ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ بات حزب مخالف کے لیڈر نے کہی۔ اس لئے بہت ہی قابل

رنج ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس قانون کی تائید کرنے والا شخص نہ صرف اپنے ملک کی آزادی فروخت کردے گا بلکہ اس کے حق میں غدار ثابت ہوگا۔ انجام کار لیڈر صاحب نے خاتمہ کلام میں کچھ اس طرح دھمکیوں سے کام لیا اور اظہار رنج کیا کہ ان کی شایان شان نہ تھا۔ چنانچہ مسلم لیگ کو خطاب کرکے فرمایا کہ "آج تمہیں توازن قائم رکھنے کی طاقت حاصل ہے (تم چاہو تو اپنی رائے حکومت کے حق میں دے کر اسے فتح دلاؤ) مگر غالباً یہ صورت ہمیشہ نہ رہے گی۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمہاری قوت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔"

جناب والا! اس کے معنی یہ ہوئے کہ جناب لیڈر راس امر کی پیشگوئی کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی بے رحم اکثریت ہمیں کچل دے گی۔ پیس ڈالے گی مگر وہ یہ خیال نہ فرمائیں کہ محض اس وجہ سے ہم اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار حوصلہ مندی کے ساتھ نہ کریں گے۔ جناب والا کیا اسے کہتے ہیں جمہوریت؟ میں اس رجحان کی مذمت کرتا ہوں اور اسے قابل غم و غصہ قرار دیتا ہوں۔ اس لئے میں جناب لیڈر کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں۔ کیونکہ بلاشبہ یہ ان کے وقار کے منافی ہے۔ انہوں نے اور ان کی پارٹی کے بعض اراکین نے ہمارے خلاف اشارۃً و کنایۃً بہتان تراشی اور ساتھ ہی صراحۃً دشنام طرازی کو کام فرمایا۔ مگر میں ان جھوٹے الزاموں اور اس گالی گلوچ کے متعلق مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ میں اراکین ایوان اور ممبران کانگرس کو (جن کے ساتھ ہم خوش قسمتی یا بد قسمتی سے متفق نہیں ہیں)

یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت ہمیں صرف مفادِ ہند مدِنظر ہے اور ہماری رائے کی کوئی اور چیز محرک نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ پر سکونِ خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور کریں۔

جناب والا! مجوزہ قانون کی بحث میں بہت سے زوائد شامل کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ پیرو، چین، اور جاوا کا ذکر بھی آ گیا۔ نیز اور انواع اقسام کے معاملات پر بے کار بحث ہوئی۔ ہمیں جذبات سے بے گانہ ہو کر یہ دیکھنا ہے کہ کیا حالاتِ موجودہ اور اپنی حالت کے پیشِ نظر یہ قانون ضروری ہے یا نہیں؟ (حکومت کو مخاطب کر کے) کاش ہم اہلِ ہند کچھ کر سکتے۔ ہم آپ کی حکمتِ عملی بخوبی سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے مَیں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ نہ ان محرکات کو جو اس کی تہ میں ہیں۔ مگر مَیں آپ کی دیانتداری تسلیم کرتا ہُوں۔ آپ بھی مجھے دیانتدار مانیں۔ آپ اس قانون کو اپنے حق میں اچھا سمجھتے ہیں۔ مَیں اسے اپنے ملک کے حق میں بُرا قرار دیتا ہوں۔ بہر حال یہ لازم ہے کہ اس پر سکونِ خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور و فکر اور بحث ہو۔

جناب والا! ہمیں پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے۔ کہ اگر پنجاب کی صُوبائی حکومت کو اس قانون کی ضرورت ہے۔ تو اسے اس کے وضع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق میں نے حزبِ مخالف کے معزز لیڈر اور سرکاری ممبر قانون دونوں کی تقریریں بڑی احتیاط اور توجہ سے سنیں۔ اور جہاں تک میں اس وقت سمجھتا ہُوں ممبر قانون نے حکومتِ ہند کی طرف سے درست حالات پیش کئے مگر نمائندہ کانگرس نے غلط اندازلگایا ان کے

دلائل بالکل بےمعنی ہیں۔ اگر میری رائے ان کی رائے کی نسبت غلط ہے تو وہ اس کی اصلاح کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ حزبِ مخالف کے لیڈر نے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے متعلقہ اختیاراتِ قانون سازی (بروئے قانونِ ہند ۱۹۳۵ء) کی صحیح ترجمانی نہیں کی[1]۔ اس معاملہ میں قانون ۱۹۳۵ء بالکل واضح ہے۔ حکومتِ پنجاب کو اپنے خاص حالات کے پیش نظر اور ان

لہ مترجم کو ڈر ہے کہ غیر قانون دان قارئین تقریر کے اس حصّے کو اگر اس کا ترجمہ بلا تشریح کیا گیا نہ سمجھ سکیں گے۔ قائدِ اعظم ایک عظیم الشان قانون دان۔ ان کی تقریر کے سُننے والے بھی فہیدہ لوگ تھے۔ زیرِ بحث وہ مشکل چیز تھی۔ جسے قانونی باریکیاں کہتے ہیں۔ اس لئے قانون کا صرف متعلقہ حصّہ لکھ دیا جاتا ہے اور تقریر کے اس جزو میں مطلب کی بات سیدھے سادے الفاظ میں تحریر کی جاتی ہے۔ قانون حکومتِ ہند ۱۹۳۵ء نے اختیاراتِ قانون سازی کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور ان کو فیڈرل لیجسلیٹو لسٹ، پراونشل لیجسلیٹو اور کن کرینٹ لیجسلیٹو لسٹ کا نام دیا ہے۔ پہلی فہرست میں وہ موضوع ہیں جن کے متعلق فقط اور محض مرکزی حکومت قانون بنا سکتی ہے دُوسری فہرست میں وہ موضوع ہیں جو قانون سازی کے لحاظ سے صُوبائی حکومتوں کے اختیار میں ہیں۔ تیسری فہرست میں وہ موضوع ہیں جن کے متعلق مرکزی حکومت یا کوئی ایسی صُوبائی حکومت جسے اپنے صوبے کے خاص حالات کے سبب اور ان سے نپٹنے کے لئے کسی خاص قانون کی ضرورت ہو تو اس کو وضع کر سکتی ہے گویا بیک وقت ہر دو کو اختیار حاصل ہے۔ اس وقت (۲۳ ؍ اگست ۱۹۳۸ء) زیرِ بحث یہ معاملہ تھا کہ جنگ ہونے کا خطرہ ہے۔ ہندوستان میں ایسے اشخاص اور جماعتیں موجود ہیں جو لوگوں (باقی برصفحہ ۶۰)

خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو پیدا ہو سکتے ہیں۔ قانون زیر بحث کی ضرورت تو بیشک ہے۔ مگر وضع کرنے کا اختیار نہیں یہ ہے میری رائے۔ اس دنیا میں کوئی چیز قطعی یقینی نہیں۔ اس لئے میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس کا پابند بنا دیا جاؤں۔ اور جو آئندہ بطور نظیر میرے خلاف پیش کی جائے۔ بہر حال حکومت پنجاب کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵۹) کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکیں گے اور موجودہ سپاہیوں کو غداری پر آمادہ کریں گے۔ حکومت پنجاب کا بالخصوص یہ خیال تھا کہ پنجاب جس کے باشندے عساکر ہند میں اکثریت رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک اکیلا صوبہ باقی تمام ہند کے صوبوں کی مجموعی تعداد میں سپاہی بہم پہنچاتا ہے یہاں اس کی خاص ضرورت ہے کیونکہ پنجاب کے اندر جنگی کوششوں کے منافی اعمال خاص طور پر ضرر رساں ثابت ہوں گے۔ قائد اعظم نے قانون کی حالت کو نہایت خوبی سے واضح کیا اور بتایا کہ قانون زیر بحث معاملات جنگ و دفاع ہند سے متعلق ہے اس لئے فہرست نمبر ا میں رکھا گیا۔ صوبائی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں اس لئے پنجاب کی حکومت اسے مرکزی حکومت سے وضع کرانا چاہتی ہے۔ اور نمائندہ کانگریس کی یہ رائے درست نہیں کہ صوبائی حکومت کو اختیار حاصل ہے اور اس لئے اسے لازم ہے کہ ایسا سخت گیر قانون خود وضع کرے۔ اس قانون کی رُو سے ایک نیا جرم تخلیق کیا گیا اور اس کی سزا مقرر کی گئی۔ مترجم کے خیال ناقص میں امور مذکور سمجھ لینے کے بعد تقریر کا آسانی سے سمجھ لینا دشوار نہ ہوگا۔ بلکہ دلچسپی بڑھ جائے گی۔

"مترجم"

جناب والا! حکومت ہند کی طرف سے ان کے ممبر قانون نے یہ بیان کیا ہے کہ جب تمام صوبائی حکومتوں سے رائے طلب کی گئی اور انہیں صورت حالات و واقعات سے آگاہ کیا گیا۔ تو ان سب نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد حکومت پنجاب کی تائید کی اور اس قانون کے وضع کرنے کی رائے دی۔ اس کے متعلق جو خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں آئے اور جس نتیجہ پر میں پہنچا پیش کرتا ہوں۔

جناب والا! مجھے سب سے پہلے اس سوال پر ذہن لڑانا تھا کہ اس قانون کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ بلاشبہ یہ ایک نئے جرم کی تخلیق کرنا ہے۔ "اور کتاب قوانین" میں ایک مکمل قانون سے اضافہ کرنا ہے۔ مگر ہم محض اس لئے اسے وضع نہیں کر سکتے کہ حکومت ہند کی خواہش یہی ہے۔ جب معزز ممبر نے جو اس کام پر مامور ہیں اپنا مدعا اور مقدمہ پیش کیا تو مجھے آزادانہ طور پر کھل کر کہنا چاہیئے کہ میرے ذہن نے مجوزہ قانون کو غیر ضروری قرار دیا۔ میں حیران ہو گیا کیونکہ میں دلائل سے باخبر نہ تھا۔ حکومت ہند کو لازم تھا کہ وہ شروع میں ہی اپنے دلائل پیش کر دیتی۔ بہر حال بعد میں میں نے مجوزہ قانون کا مزید امتحان کیا۔ چنانچہ میں نے آنریبل ہوم ممبر کی تقریر اور بعض دوسری موافق اور تائیدی تقریریں انتہائی توجہ سے سنیں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف کریں گے کیونکہ میں کسی کو نہ ناراض کرنا چاہتا ہوں اور نہ مجھے کسی کا دکھانا منظور ہے۔ مگر انجام کار میرے سب شبہات دور ہو گئے۔ اور میں نے تسلیم کر لیا کہ حکومت نے اس قانون کی ضروریات ثابت کر دیں۔

لیکن جو رہا سہا شبہ آنریبل ہوم ممبر کے دلائل کے باوجود باقی رہ گیا تھا کہ فی الحال اور پہلی نظر میں ضرورت ثابت نہیں ہوئی اسے کانگرسی ممبروں کی تقریروں نے قامل طور پر رفع کر دیا۔ ان لوگوں نے جائز یا ناجائز مگر قطعی طور پر اس امر کا اعلان کیا۔ کہ ہم فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف تقریر کرینگے۔ اور یہ تحریک جاری رکھیں گے۔ یہی نہیں بلکہ فوجیوں اور نئے بھرتی ہونے والوں میں غدر اور حکم عدولی کے کاموں پر برانگیختہ کریں گے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

مسٹر جناح۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرات ممبران کانگریس کی تقریریں ایک دوسرے کی تردید و تنسیخ کرتی رہی ہیں۔ میرے زیر نظر ایک یا دو تقریریں نہیں، معاف کیجئے گا۔ مگر میں ان سب کے مجموعی نتیجہ پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ ایک ممبر صاحب نے کہا کہ "ہم صلح جوئی کے حق میں ہیں"۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک میں ایسے دیوانے اور دغاباز موجود ہیں جو کامل صلح کے طلبگار ہیں۔ میں ان ممبر صاحب کو معاف کرتا ہوں۔ ہر شخص کو اپنی ایک رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ خود میں بھی کامل صلح اور ساری دنیا میں کامل صلح کا خواہشمند ہوں۔ جنگ نہیں ہونی چاہئیے۔ ساری دنیا میں امن اور خوشحالی ہونی چاہئیے۔ اگر جنگ قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ "صلح بہرحال صلح" کے حامی ممبروں سے مجھے سروکار نہیں۔ میرے لئے یہ سوال حل طلب نہیں کہ صلح پر یقین رکھنا چاہئیے یا نہ رکھنا چاہئیے۔ میرا یقین تو یہ ہے کہ اگر خطرہ ہو تو مجھے اپنی زندگی بچانا لازم ہے۔ میں کسی شخص کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا۔ میں ایک نیک کردار آدمی

ہونا چاہتا ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کا ہر شخص نیک ہے اور مجھے ضرر پہنچانا نہیں چاہتا۔ اس لئے مَیں کہتا ہوں کہ یہ "بہر حال و بہر طور صلح" اور عدم صلح کا سوال نہیں۔ بلکہ مردمانِ عمل ہونے کے لحاظ سے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کریں یا نہ کریں۔ میرا جواب یہ ہے کہ مَیں تو ضرور اپنے آپ کو بچاؤں گا۔ یہ ہے میری پہلی گذارش۔ میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی نے اس قانون کی منظوری کے لئے چھ شرائط لازم قرار دی ہیں۔ چھ نکات بیان کئے ہیں۔

ایک ممبر۔ کچھ اپنے اکیس نکات کے متعلق بھی ارشاد ہو۔

مسٹر جناح۔ مسٹر ستیہ مورتی نے سارے معاملہ کو چھ نکات پر محدود کر دیا ہے مگر بعض دوسرے آنریبل ممبران حدود سے باہر بھی چلے گئے۔ انہوں نے چھ سے زائد چیزیں طلب کیں۔ جن سے مناسب وقت پر بحث کروں گا۔ سب سے پہلا اور اصولی سوال اس قانون کی ضرورت کا ہے۔ میرا خیال غلط ہو یا درست اور مجھے رنج ہوگا۔ اگر میں آنریبل ممبران کانگریس سے کوئی ایسی بات منسوب کروں جو حقیقت میں انہوں نے پیش نہیں کی۔ مگر اس کا فیصلہ کرنا ایوان کا کام ہے کہ ان حضرات کا رجحان کیا ہے اور میں اس کے سمجھنے میں راستی پر ہوں یا نہیں؟

بہر حال ہمیں قانون مجوزہ پر غور کرنا ہے۔ میرے تجزیے کے مطابق دو بڑے بڑے امور بحث طلب ہیں اور ایک تیسرا بھی ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔

پہلے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا۔ جو دیدہ و دانستہ اور بالارادہ کسی فرد یا پبلک کو ملک معظم کی بری، بحری یا فضائی لشکر میں شامل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ یہ ہے بھرتی کے متعلق۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا۔ جو بغیر باز رکھنے کی کوشش کے پبلک یا کسی فرد کو جو فوج میں شامل ہو چکے ہیں کسی ایسے جرم کے ارتکاب کے لئے برانگیختہ کرے جو بطور غدر یا عدم تعمیل حکم مستوجب السزا ہے۔ قانون کا یہ جزو ایک منظم یا غیر منظم تحریک یا شورش کے متعلق ہے۔ جس کا مدعا فوجیوں کو غدر یا نافرمانی کے لئے اکسانا ہے۔ میں معزز ممبران سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ پہلے تو موجودہ حالات کو اچھی طرح زیر نظر رکھیں۔ پھر مجھے بتائیں کہ کیا میں اپنے ہموطنوں کو یہ پیغام بھیجوں کہ فوج میں شامل ہونے سے باز رہیئے۔ اور اگر آپ شامل ہو جائیں تو غدر کیجئے اور احکام نہ مانیئے، کیا میں ہندوستان کے عام سپاہیوں اور افسروں کو غدر کے لئے اکساؤں؟ کیا آپ موجودہ حالات میں یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے بہترین فوجیوں کی رہنمائی غدر اور نافرمانی کی جانب جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی سفارش ماننے اور رہنمائی کے مطابق عمل کرنیوالے لوگ وہی ہوں گے جو بہترین ہیں۔ اس کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں کیا ہوگا؟ کیا ہم یہ پیغام اس ایوان سے بھیج کر خاموش رہیں گے۔ یا اس کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے ایک پروگرام اس شریر النفس حکومت کے خلاف مرتب کریں گے؟ کیا یہ بات ہمارے اختیار میں ہے؟ میں ایوان کو اس کے نتائج سے آگاہ کرتا ہوں۔ تین روز ہوئے

مجھے ایک سابقہ قیدی کی دلخراش چٹھی ملی جس میں اُس نے مجھے اپنی درد بھری داستان سے آگاہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ مَیں یہ چٹھی کانگرس پارٹی کو دکھا سکتا ہُوں۔ وہ اس کی تصدیق کر لیں۔ کیا میں اپنے سپاہیوں کو جرائم فوجی پر آمادہ کروں تاکہ وہ اس قسم کے خطرات میں پڑیں۔ اور یہ نتیجہ ہو کہ میری بات ماننے والے اپنی زندگی کے اشغال اور وسائل روزی کو برباد کر لیں۔ علاوہ بریں اگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں کوئی بغاوت یا سرکشی حادثہ ہوئی تو نقصان جان یقینی ہے۔ فرمائیے تو کیا آپ موجُودہ حکومت کی مشین توڑ سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اس کے لئے تیار بھی نہیں۔ پس مَیں آپ کو مشورہ دونگا کہ حکومت کی اصلاح کرنے یا حکومت پر قبضہ پانے کے لئے آپ دیگر وسائل تلاش کیجئے اور کسی قابل عمل طریق پر توجہ مرتکز فرمائیے۔ اس صورت میں کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کا مدعا حاصل ہو جائے۔ مَیں انقلاب سے خائف نہیں ہُوں۔ میرے خیال میں ہر ملک کو بغاوت یا سرکشی کا حق حاصل ہے لیکن مَیں آج اگر اپنی فوج کو اُکساؤں تو اس کا نتیجہ میرے حق میں تباہ کُن ہوگا نہ کہ میرے مخالف کے حق میں جسے میں نقصان پہنچانا چاہتا ہُوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے لئے ایک بیہودہ اور بیکار مصیبت پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے موجودہ رجحان اختیار کرنے پر یہی ایک دلیل مجبُور کرتی ہے۔

میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی اور دوسرے معزز ممبران نے ہندوستان کی شکایات اور حکومت برطانیہ کے جرائم کا ایک دفتر پیش

کیا ہے۔ ان میں فرقہ داری کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر زیر بحث قانون کو فرقہ داری سے یا کسی خاص فرقے سے کوئی دخل نہیں۔ اس لئے میں اسے خارج از بحث رکھوں گا۔ لیکن اگر میرے اس خیال کی تائید میں کسی دلیل کی حاجت ہے تو سنیئے۔ اہل کانگریس کبھی تو مذہب کا نام لے کر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں اور کبھی ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یا تو جبر سے کام لیں یا دھمکیاں دیں۔ موجودہ بحث میں کانگریسی ممبروں نے مسلم لیگ والوں کو متاثر کرنے کے لئے بلاشبہ یہ رجحان اختیار کیا۔ مسٹر گیڈگل اور بعض دوسرے معزز ممبران نے فلسطین کا مسئلہ چھیڑا۔ میں فلسطین اور وزیرستان کے متعلق ان کے نقطہ نگاہ سے پوری طرح متفق ہوں۔ بہرحال اپنی نیک نیتی کے متعلق آپ کی تشفی کرنے کیلئے میں کہونگا کہ ہم فلسطین اور وزیرستان کے باوجود قانون زیر بحث کے اصول سے متفق ہیں۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کو کانگریس پارٹی کی نسبت کہیں بڑھ کر شکایات ہیں۔ اپنے ملک کی بہتری کے معاملے میں ہم بیچ دل سے آپ کے ساتھ متفق ہیں اس کے علاوہ ہم دنیا کے دیگر مسلمانوں کے حق میں جذبات ہمدردی رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہم فلسطین اور وزیرستان میں برطانوی حکمت عملی کو نامنصفانہ اور بیرحمانہ سمجھتے ہیں۔ الغرض ہماری شکایات سخت تر ہے اور آپ کی شکایت سے کہیں بڑھ کر۔ ورنہ میں کوئی فرقہ دارانہ مسئلہ پیش نہیں کر رہا۔ اس قانون کی تائید سے ہمارا مدعا کیا ہے؟ بس یہی

کہ بقول شخصے یہ دو خرابیوں میں سے کمتر خرابی ہے۔ اور چونکہ ناگزیر ہے اور بلحاظ عمل ضروری ہے۔ اس لئے ہم مجبور ہو کر اس کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔

حکومت برطانیہ کی فہرست جرائم کے سلسلہ میں ایک معزز ممبر نے کہا کہ میں اس قانون کو ہرگز وضع نہ ہونے دُونگا۔ تاوقتیکہ حکومت برطانیہ آج اس ایوان میں اس امر پر رضامند نہ ہو جائے کہ ہم قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء منسوخ کرتے ہیں اور آپکو وہی آئین دیں گے جو آپ چاہتے ہیں۔

جناب والا! مسٹر ستیہ مورتی نے بھی بہت کچھ کہا۔ میں بھی ان کی بعض باتوں سے متفق ہوں۔ میں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پڑھنا چاہتا ہوں۔

اول بھرتی کے ضمن میں وہ اپنی مدد دینے کی پہلی شرط یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ "قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی ترمیم کی جائے اور ملک کے ڈیفنس (دفاع) پر ذمہ دار وزیر مامور ہو۔" میری رائے میں یہ ایک مشکل کام ہے۔ جیسے وہ آسان سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ پوچھنا ہوں کیا آپ یہ قانون نامنظور کرنے سے حکومت کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور حکومت کو راہ پر لانے کے لئے اتنا زور کافی ہے؟ کیا حقیقت میں آپ کا یہی خیال ہے؟

مسٹر ستیہ مورتی۔ ہاں ہے؟

مسٹر جناح۔ صرف قانون نامنظور کرنا کافی ہوگا؟ یا آپ کو غدر اور نافرمانی کی حوصلہ افزائی بھی کرنی پڑے گی؟

(جواب میں خاموشی)

جناب والا! اس کے بعد مسٹر ستیہ مورتی یہ بھی چاہتے ہیں کہ جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو برطانوی افواج اس ملک سے نکال دی جائیں۔ کیا ان کی یہ شرط اجتماع ضدین کے برابر نہیں؟ ہم بھی واقعی ان افواج کا اخراج ہی چاہتے ہیں۔ یہی ہے وہ حکمت عملی جس پر ہم اصرار کے ساتھ قائم ہیں اور اس کے لئے ہمارے دلائل بھی ناقابل جواب اور ناقابل شکست ہیں۔

ماسوا اس کے کہ حکومت اس پر رضامند نہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ افواج ہند کامل طور پر ہندوستانی ہوں۔ اور برطانوی عنصر سے معرّا۔ میں کئی سال سے اس کے لئے لڑ جھگڑ رہا ہوں۔ مگر صرف نام نہاد سی کامیابی ہوئی ہو تو ہوئی ہو (کانگرس ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ اپنے بہترین لوگوں کو کیونکہ وہی آپ کی بات پر کان دھریں گے۔ فوج میں عدم شمولیت کا پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف نالائق لوگ اور پیسے کے بندے ہی فوج میں داخل ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ فی الفور یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ فوج قطعی طور پر ہندوستانی ہو۔ کیا یہ دونوں مطالبے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں؟ اچھے سے اچھے اشخاص کو فوج میں شامل ہونے سے روکنا اور برے سے برے لوگوں کو اس کا موقع دینا قطعی طور پر اجتماع ضدین ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم جائز اور بجا طور پر بے صبر ہو رہے ہیں۔ مگر قانون نامنظور کرنے سے کام نہ چلے گا۔ نتائج برے ہوں گے مجھے بھی مجوزہ قانون سے الفت نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نامنظوری سے کس کا نقصان ہوگا۔

مسٹر ستیہ مورتی کا تیسرا نکتہ یا یوں کہیئے کہ شرط یہ ہے کہ "حکومت برطانیہ

صاف صاف طور پر اور دیانتداری کے ساتھ ایک لائحہ عمل منظور کرے جس سے زیادہ سے زیادہ بیس برس میں فوج کامل طور پر ہندوستانی ہو جائے۔"

مَیں صدق دل سے اس کی تائید کرتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ مَیں کتنی مدت سے اس تجویز کی وکالت کرتا رہا ہوں۔ چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس کی مجلس دفاع (ڈیفنس کمیٹی) میں مَیں نے اس کے متعلق ایک معمولی اور ہلکی سی تجویز پیش کی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ایک ہندوستانی ممبر نے بھی تو میری تائید نہ کی۔ میری تجویز فقط اتنی تھی کہ آئندہ افسروں کی بھرتی میں برطانوی نہ لئے جائیں اور صرف ہندوستانیوں پر محدود ہو۔ اگر یہ طریق اختیار کیا جائے تو پھر بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ محض اور فقط ہندوستانیوں کو افسر بنانے کے لئے چالیس پچاس سال کی مدت درکار ہو گی۔ آپ رُوداد پڑھ کر دیکھیے کہ اس تجویز کیلئے میں تن تنہا جدوجہد کرتا رہا اور کسی ہندوستانی نے میرا ساتھ نہ دیا۔

مسٹر ستیہ مورتی کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ "ہندوستانی افسروں سے اچھا سلوک کیا جائے اور اُن کا حوصلہ بڑھایا جائے۔" مگر اس مطالبے کے ساتھ ہی آپ عذر اور عدم تعمیل حکم کے لئے برانگیختہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ قانون زیر بحث کا منشا اسی کو روکنا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان لوگوں کو نہ اکسائیگا تو کیا قانون پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ پیش آئیگا۔ یہ قانون ۱۹۳۲ء میں موجود تھا اور ۱۹۳۵ء میں منسوخ کیا گیا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ تنسیخ کے وقت حکومت کو ہوا کیا۔ شاید اس کا دل مائل بہ خوشنودی ہند تھا۔ بہرحال اہل حکومت

برطانیہ اپنے درست یا غلط انداز سے کیا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے قانون منسوخ کرنا ہی مناسب جانا۔ اس وقت تو یہ امر خود آپکے اعمال پر منحصر ہے کہ حکومت برطانیہ آپ کے افسروں سے نیک سلوک روا رکھے اور ان کے حوصلے بڑھائے۔

مسٹر ستیہ مورتی کا پانچواں نکتہ یہ کہ قواعد ترتیب لشکر میں اس طرح اصلاح کرے کہ برطانوی اور ہندوستانی افسروں کو رتبۂ مساوات حاصل ہو اور نسلی امتیاز برتری دور کر کے ہندوستانی افسران اعلیٰ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ برطانوی افسران ادنیٰ کے حاکم ہوں (ایک ہی دستہ وغیرہ میں ان کی کمان کر سکیں) میں اس کی پوری طرح تائید کرتا ہوں۔ یہ ایک نیا نکتہ ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی کی چھٹی شرط یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو صاف طور پر بتا دیا جائے "کہ ہندوستانی سپاہی کسی ایسی جنگ میں حصہ نہ لیں گے جو ہندوستان کے مفاد و اغراض کے خلاف ہو" میں اس سے بھی کامل طور پر متفق ہوں۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہندوستانی فوج کا وجود اولاً اور زیادہ تر اغراض ہند کے لئے اور ملک کی اندرونی امن و امان اور سلامتی کے لئے ہے۔ مگر ان الفاظ میں ایک رخنہ ہے۔ چنانچہ میں ان کو بدل کر یوں کہوں گا کہ ہندوستانی فوج اول سے آخر تک اور کامل طور پر ہندوستان کے مفاد اور اغراض کے لئے ہونی چاہیئے۔ اور اگر برطانوی حکومت علاوہ ازیں اس سے کام لے تو صرف ایسی جنگ میں اور ایسی تکلیف یا آفت کے وقت جبکہ ہندوستان کے مفاد و اغراض پر برا اثر ہونے کا اندیشہ ہو اور ہم برضا و رغبت خود حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور اسے مدد دیں۔

بہر حال موجودہ آئین میں ایک رخنہ ہے اور ہندوستانی فوج ایسے ہاتھوں میں ہے اور اس سے کام لینے کے مختار وہ شخص ہیں جو ہمارے سامنے جواب دہ نہیں۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟ مسٹر ستیہ مورتی اور ایک صاحب نے فرمایا ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء (گزشتہ جنگ عظیم کا سال آغاز) کا ہندوستان سنہ ۱۹۳۹ء کے سال سے مختلف ہے۔ بہت اچھا، مگر اس وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ فرض کیجئے کہ ہم بھرتی کی منزل اور غدر پر برانگیختہ کرنے کی منزل سے گزر کر مجوزہ قانون کو وضع کر چکے ہیں۔ اور جنگ جاری ہو گئی ہے۔ اس کے پیش نظر مختاران برطانیہ ہماری فوج سے کیا اور کیونکر کام لیں گے؟ یا ہم خود کس کام کے روادار ہونگے اور اس کے متعلق کیا طریق چاہیں گے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ ایک انگریز چاہے اس کا دماغ کتنا ہی بعید اگیول نہ ہو وہ جانتا ہے کہ اس قانون کی تدابیر کے باوجود ہندوستان کی رائے عامہ بھی ہے اور اس کا اثر اور زور بھی۔ چنانچہ میں آپ سے پھر بھی سفارش کرونگا کہ ہم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ان وسائل کو کام میں لائیں جو ہمارے اختیار میں ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ اپنی غفلت کے سبب اور اپنی قوتوں کو ادنی معاملات میں ضائع کرنے کی وجہ سے ان اختیارات کو بیکار بنا رکھا ہے۔ جنگ کا وقت آنے دیجئے۔ ہم کچھ عرصہ سے جنگ کے امکانات کی نسبت بہت کچھ سن رہے ہیں مگر مجھے تو جنگ جلد چھڑتی نظر نہیں آتی۔ بہر حال اگر جنگ کا اتفاق ہو بھی گیا اور ہم نے درست راستہ اختیار کیا تو ہماری رضا حاصل کئے بغیر حکومت کے لئے یہ امر بہت ہی مشکل ہو جائے گا کہ ہماری فوج سے جس طرح چاہے

کام لے۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ قانون منظور کیا تو پھر بھی حکومت ہمیں دوسرے وسیلے اختیار کرنے سے روکے گی۔ آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں؟ آپ کے راستے میں کونسی رکاوٹ ہے؟ کیا یہ قانون سدراہ ہے جو ایک سال کی یا کسی اور مدت کی سزا مقرر کرتا ہے؟ آپ صاحبان عمل ہیں۔ آپ ملکی مدبر ہیں۔ کیا آپ بھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اگر کل جنگ چھڑ جائے تو حکومت اس سے بدتر قانون بذریعہ آرڈی نینس (ہنگامی قانون بطور فرمان) وضع نہیں کر سکتی؟ اس وقت آپ کیا کریں گے؟ ڈر جائیں گے کیا؟ مجوزہ قانون میں تو صرف ایک یا دو سال کی سزا مقرر ہے۔

ایک معزز ممبر۔ نتائج کا اندازہ آپ ابھی سے کر رہے ہیں؟

مسٹر جناح۔ ہم نے اسی غرض سے ایک ترمیم کی تحریک کی ہے۔ حکومت کوئی ایسا کام نہ کر سکے گی جس سے ہم متفق نہ ہوں گے۔ مگر میرا مدعا تو اس سوال سے صرف اپنی دلیل کی کچھ تفصیل پیش کرنا تھا۔ اس وقت زیر بحث تین اتفاقات ہیں۔ ایک تو بھرتی۔ دوسرے غدر پرا کساہٹ۔ میں سپاہیوں اور افسروں کو برانگیختہ کرنے اور غیر متابعت کے اعمال پر آمادہ کرنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوں۔ تیسری منزل جنگ چھڑ جانے کی ہے۔ میں نے اپنے معزز دوست لیڈر نیشنلسٹ پارٹی کی تقریر بڑے غور سے سنی ہے جو کچھ انہوں نے فرمایا اور ثابت کرنے کی کوشش کی، قابل داد ہے۔ چاہے میں ان سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔ انہوں نے ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میں اُن کے دلائل کا زور تسلیم

کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے دوست ڈپٹی پریذیڈنٹ کے دلائل میں زور اور اثر تھا اور انہوں نے بھی ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میرا اور مسٹر اینے کا مقصد اسی امر پر بحث کرنا تھا کہ جنگ کے حادث ہونے سے پہلے نتائج پر غور کر لیا جائے۔ میری رائے میں اس وقت صورت حال یہ نہ ہوگی۔ اگر آپ نے مجوزہ قانون منظور نہ کیا تو حکومت گزشتہ جنگ والا طریق اختیار کرے گی۔ چنانچہ اُس نے ہنگامی قانون بطور فرمان وضع کئے تھے۔ قانون دفاع ہند بنایا تھا اور اسی قسم کے اور کام کئے تھے جو ایسے مواقع پر ہر ملک میں کئے جاتے ہیں۔ کیا آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ جنگ ہوئی تو یہ حکومت خاموش بیٹھی رہے گی؟ قیاس غالب تو یہ ہے کہ ہنگامی قانون ابھی سے تیار کر لئے گئے ہیں اور حکومت کے دفتر میں موجود ہیں۔ سزا کا خطرہ ابھی سے موجود ہے۔ ایک سال، دو سال، پانچ سال، مگر مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ہماری راہ میں حائل ہوگی۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ہم اپنے مقصد کے لئے صحیح طریق اختیار کریں۔ پھر خدا نے چاہا تو ہم ہنگامی قوانین اور اس کے پشتیبان نظام کے باوجود حکومت کو اگر اس نے ہماری متابعت نہ کی۔ ساکت اور مفلوج کر سکتے ہیں۔

مولوی عبد الرشید چودھری۔ بتائیے کیسے؟

مسٹر جناح۔ جب وقت آئے گا تو بتا دوں گا۔ مَیں نے مسٹر ستیہ مورتی کے شش گانہ نکات کے متعلق جملہ امور بیان کر دیئے ہیں۔ اب میں قانون کی جانب لوٹتا ہوں۔ اس بات میں مَیں ستیہ مورتی سے متفق ہوں کہ ہم

پنجاب کی اپنی زحمت برداشت نہیں کرنا چاہتے۔ میری یہ رائے درست ہو یا غلط۔ اور فرض کیجیئے کہ درست ہی ہے کہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کو یہ قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں۔ پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ پنجاب پر یا کسی اور صوبے پر یہ قانون مرکزی حکومت کے حکم سے عائد کیا جائے۔ میری پارٹی نے اس پر پُورا غور کرنے کے بعد اپنی ترمیم پیش کی ہے جو اگر منظور نہ کی گئی تو ہم قانون کی تائید نہ کریں گے۔

مسٹر ڈی، کے، لاہری چودھری۔ آپ نے ترمیم کے متعلق حکومت سے سمجھوتہ کر لیا ہے؟

مسٹر جناح۔ نہیں مطلق نہیں۔ اگر آپ کنایۃً الزام لگاتے ہیں اور اس طرح ہمارے اصلی محرکات پر اعتبار نہیں کرتے ہیں تو آپ کو اختیار رہے۔ مجھے آپ سے اور کچھ نہیں کہنا۔ ہاں میں ترمیم کی منظوری پر اصرار کرتا ہوں۔ اس بات کے کہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ حکومت اس قانون کی منظوری کی شرط پر ترمیم قبول کر لے گی۔ آپ غور و فکر کے بعد تسلیم کر لیں گے کہ اس قانون کے نفاذ کا فیصلہ خود صوبائی حکومتیں کریں۔ اگر یہ نہ ہوگا تو صوبائی حکومت خود اختیاری بالکل بے معنی سمجھنی چاہیئے۔

ہم حکومت پنجاب کی زحمت خود گوارا کرنا نہیں چاہتے۔ پس ہم اسے کہتے ہیں کہ اپنی تکالیف سے خود ہی نپٹے۔ اگر آپ کو اس قانون کی ضرورت ہے تو نکتہ چینیوں اور اعتراضوں سے آپ خود ہی عہدہ برآ ہونے کی کوشش کیجیئے۔ آپ اپنی مجلس قانون ساز سے اجازت طلب

فرمایئے۔ اور کہئیے کہ ہم مرکزی مجلس کے وضع کردہ قانون کو پنجاب میں نافذ کرانا چاہتے ہیں۔

جناب والا! یہ ہے اوّلین امر جس پر مَیں نے ترمیم پر اصرار کیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فقط اور محض مقاصد زیر بحث کے موقع پر یہ قانون استعمال میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب براری نہ کی جائے۔ اس لئے مقامی حکومت کی منظوری کے بغیر اس کے ماتحت کسی شخص کے خلاف استغاثہ دائر نہ کیا جائے۔ اور سزا کی نسبت میرا خیال ہے کہ محض ایک سال کی مدّت ہمارا مقصد حاصل کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ میں دفعہ ۲ الف کے الفاظ میں تبدیلی چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک صرف یہ نہ قرار پائے کہ وہ شخص جو پبلک کو یا اس کے کسی فرد کو ملک معظم کی بری بحری یا فضائی فوج میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا۔ مستوجب السزا ہوگا۔ بلکہ یُوں کہا جائے کہ جو شخص اس نیّت سے کہ ملک معظم کی بری بحری یا فضائی فوج کے لئے بھرتی پر بُرا اثر ہو۔ پبلک کو یا کسی فرد کو ان افواج میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کریگا۔ مستوجب السزا ہوگا۔

جناب والا! یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ میں نے ترمیم کے متعلق عرض کیا اس کے بغیر اور کوئی بات کہنے کی نہیں رہی۔ اگر کسی پارٹی نے کوئی اور ترمیم پیش کی تو مَیں اس پر خوشی سے غور کروں گا۔ چاہے اس سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔

ایک آنریبل ممبر۔ شکریہ! بہت بہت شکریہ!

مسٹر جناح ۔ مگر دیگر ترمیمات کا معاملہ علیحدہ چیز ہے۔ سردست اور آخر میں تو مجھے یہی کہنا ہے کہ قانون مجوزہ کو تمام نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھنے کے بعد مجھے اور میری پارٹی کو اس امر کا احساس ہے کہ نظر بحالات موجودہ ہم اپنے اہل وطن کو سخت سے سخت نقصان پہنچائیں گے۔ اگر ہم نے کسی ایسی تحریک ۔ منظم تحریک ۔ مخالفانہ تحریک کو بر روئے کار آنے دیا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے اور جس کا مقصد بھرتی کی بندش ہے ۔ اور غدر اور غیر متابعت کے اعمال کے لئے فوجیوں کو برانگیختہ کرنا ہے ۔

جناب والا! افسوس ہے کہ میں اس خیال کی تائید کرنے سے قاصر ہوں ۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب میرے دوستوں کو اس امر کا کامل احساس ہو جائے گا کہ میں نے جو کچھ کیا ان ہی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر کیا ۔ جس کا وہ اپنے لئے دعوے کرتے ہیں ۔ نیز یہ کہ میرا آج کا کام ہندوستان کے مفاد کے حق میں ایک کارآمد خدمت ہے۔

قائدِ اعظم

کی وُہ تقریر جو آپ نے فنانس بل بابت ۴۰-۱۹۳۹ء پر مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو ارشاد فرمائی۔

جناب والا! مَیں مباحثات میزانیہ کے دوران میں جلد ہی تقریر کرنے لگا ہُوں وجہ یہ کہ مجھے مسلم لیگ پارٹی کی حالت کی وضاحت مدِنظر ہے۔ امید ہے کہ آپ مجھے سخت پابندی ترک کرنے کی اجازت دیں گے۔ تاکہ میں ترمیم زیرِ بحث سے الگ ہو کر تقریر کروں۔ یہ ایوان موجودہ ترمیم کے علاوہ دیگر ترمیمات پر بھی بحث کرے گا۔ اس مسودہ قانونِ مالی میں پانچ خاص اُمور ہیں۔ نمک پر محصُول، کھانڈ پر محصُول۔ اندرونی خام روئی پر محصول، درآمد شرحِ محصولات ڈاکخانہ۔ اور انکم ٹیکس اور زائد انکم ٹیکس۔

جناب والا! میں بجٹ (میزانیہ) کو اس کی موجودہ شکل میں پسند اور منظور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی ترتیب و تدوین میں ہمارا کوئی حِصّہ نہیں۔ اور نہ ہماری رائے کو دخل ہے اگر ایسا ہوتا تو مَیں یا یوں کہئے کہ ہم اس کی تشکیل مختلف طور پر کرتے۔ اگرچہ تمام و کمال میزانیہ بیک وقت ہمارے سامنے لایا گیا ہے مگر اس وقت زیرِ بحث محض تجاویز ٹیکس ہیں۔ جن کے

متعلق ہمیں رائے دینا ہے اور کمی کرنے کی ترمیمات پیش کرنا ہے۔

جناب والا! اس ایوان میں مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت کچھ عجیب ہے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے توازن ایوان ہمارے دست قدرت میں ہے۔ چنانچہ اگر ہم حکومت کی تائید کریں تو فنانس ممبر صاحب اس مسودے کو مراحل پر صحیح و سلامت پہنچا سکتے ہیں اور عین خاطر خواہ طور پر اور زیر و زبر بدلنے کے بغیر وضع کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ نہ صرف اس ایوان کے سامنے اس کی وکالت کریں گے بلکہ ہماری پارٹی اور اعانت حاصل کرنے کے لئے بھی اپیل کریں گے۔

جناب والا! اس وقت تک ہم مسلم لیگ پارٹی کے ممبر اس اصول پر عمل پیرا رہے ہیں کہ اگر حکومت نے کوئی ایسی تدبیر پیش کی جو اہل ہند کے حق میں مفید تھی تو ہم نے اس کی مدد کی۔ لیکن اگر حکومت کی کوئی تجویز و تدبیر منافی اغراض ملکی تھی تو ہم نے مخالفت کی۔ مگر میں اب یہ دیکھتا ہوں کہ ہمیں یہ حکمت عملی بدل دینی چاہیئے۔ ہمیں مجبور کر کے اس حالت پر پہنچا دیا گیا ہے کہ جب کانگریس راستی پر ہو تو ہم اس کی تائید کریں اور جب حکومت راستی پر ہو تو ہم اس کی مدد کریں۔ مگر جب ہم راستی پر ہوتے ہیں تو کوئی شخص ہماری مدد نہیں کرتا۔ ان امور کے پیش نظر میں حکومت کو بتانا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ پارٹی کے متعلق اسکی حکمت عملی، رجحان اور اعمال کیسے رہے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ فنانس ممبر نے اپنی طویل تقریر میں ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ "کانپور کو یاد رکھو۔ بنارس

کو یاد رکھو۔ بدائیوں کو یاد رکھو" مگر میں ایوان کو بتا سکتا ہوں کہ ان کے علاوہ بھی اس ملک میں بہت ایسے مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق پامال کئے گئے۔ مگر اس کے متعلق حکومت نے کیا کیا؟ تھوڑے دن ہوئے میں نے مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کی ایک تقریر پڑھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "یہ الزامات اور شکایات بالکل بے بنیاد ہیں کہ (بعض صوبوں میں کانگرسی وزارتوں نے) مسلمانوں کے ساتھ ناروا ظالمانہ اور نامنصفانہ سلوک کیا اور ان پر تشدد بھی کیا۔ وجہ یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً گورنر دخل دیتا" حال میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی اپنی تقریر میں اسی دلیل پر انحصار کیا۔ یعنی "اگر ان بے بنیادی تہمتوں اور الزاموں میں ذرہ بھر بھی صداقت ہوتی تو یقیناً گورنر الگ تھلگ خاموشی کے ساتھ نہ بیٹھے رہتے وہ فی الفور دخل دیتے"

جناب والا! اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب گورنروں نے دخل نہیں دیا تو ہمیں تسلی رکھنا چاہیئے کہ .... (ناروا سلوک بھی نہیں ہوا)

مسٹر لال چند نول رائے۔ جناب والا! دستور مباحثہ کی رو سے پوچھتا ہوں کہ معزز ممبر غیر متعلقہ باتیں تو نہیں کر رہے؟ موضوع ترمیم سے دور تو نہیں جا رہے؟

صاحب صدر (آنریبل سر عبدالرحیم) اگر ہمارا خیال درست ہے تو معزز مقرر اپنی پارٹی کے عمل کا جواز عام سیاسی کوائف کی رو سے پیش کر رہے ہیں۔

مسٹر جناح۔ صحیح فرمایا۔ میں بہت سی تقریروں کی بجائے صرف

ایک تقریر میں فنانس بل کے متعلق اپنی پارٹی کے نقطۂ نگاہ اور طریق عمل کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں حیران ہوں کہ معزز ممبر نے میری بات کیوں کاٹی۔ میری رائے میں اس امر کے تسلیم کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا کہ میں ان ممبروں میں سے ہوں جو اس ایوان کا کم سے کم وقت لیتے ہیں۔ مَیں اس بات کا عادی بھی نہیں ہوں کہ چاہے کسی مسئلہ کو سمجھوں یا نہ سمجھوں مگر اس پر کچھ نہ کچھ کہوں ضرور۔

مسٹر لال چند نول رائے۔ مَیں اس امر کا صرف قانونی پہلو سمجھنا چاہتا ہوں۔

مسٹر جناح۔ اب تو آپ سمجھ گئے؟ مَیں خوش ہوں کہ معزز ممبر نے آج کچھ تو سیکھا۔ جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ہے مسلم لیگ کے نزدیک صورت حالات۔ اس کے علاوہ مَیں فلسطین، وزیرستان اور جے پور کی نسبت پوچھتا ہوں کہ اس وقت طاقت مقتدرہ (برطانوی حکومت) کہاں تھی اور کہاں ہے؟

بھائی پرمانند۔ حیدر آباد بھی۔

مسٹر جناح۔ جب آپ کی باری آئے گی تو اپنی پارٹی کے رجحان کی وضاحت کر لیجئے گا۔ اس وقت مجھے اپنی پارٹی کی نسبت کہنے دیجئے۔ ہاں! تو جے پور میں کیا ہوا۔ سترہ مسلمان گولی مار کر کتوں کی طرح ہلاک کئے گئے۔ اور اس اطلاع کے مطابق جو ہمیں ملی ہے۔ اور جس کی صحت پر ہم اس وقت تک برابر اعتبار کریں گے جب کہ اس کے خلاف

ثبوت ملے۔ ہاں اس اطلاع کے مطابق گولی بغیر کسی تنبیہ کے چلائی گئی۔ اور گولی چلانے کی ضرورت بھی مطلق نہ تھی۔ کہاں ہے طاقت مقتدرہ؟ کیا کر رہے ہیں اہل فوقیت؟ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت ہند ریاستوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے انہیں اپنی اپنی ریاست میں آئینی اصلاحات رائج کرنے پر مجبور کرے۔ مگر یہ معاملہ ہے مہذبانہ نظم حکومت کے بنیادی اور لازمی اصول کو قائم کرنے کا۔ کیا یہ ہے طریق اپنے شہریوں کے ساتھ منصفانہ اور دیانتدارانہ سلوک کا ــــــــ؟

جناب والا! میں اس قسم کی مثالوں پر مثالیں پیش کر سکتا ہوں مگر ایوان کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ پھر ایسی باتوں کا یہ موقع بھی نہیں۔ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ آپ کی آفت اپنے سر لیں؟ اور آپ کی بظاہر سچی دلیلوں اور حقیقت میں نمائشی نیتوں کے سبب آپ کے تابع فرمان، خدمتگزار رہیں؟ پس جہاں تک آپ کو دخل ہے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اس فنانس بل کے معاملہ میں آپ کی مدد نہ کریں گے۔ آپ جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ رہی کانگرس پارٹی۔ میں اس موقع پر تفصیلات پر بحث نہیں کرونگا۔ مگر یہ سچی بات ضرور کہتا ہوں کہ کانگرس پارٹی نہ صرف ہماری مخالف ہے بلکہ دشمن بھی ہے اس لئے ہمارا ان کا تعاون ناممکن ہے۔ اس پر کانگرس پارٹی کہے گی کہ "ہمیں کچھ پروا نہیں۔ ہم اس ایوان میں سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ اس کے جواب میں میں ان سے کہتا ہوں کہ "ہاں آپ تعداد میں

سب سے بڑے ہوں، تو ہوں اسی طرح آپ ترقی یافتہ اور اقتصادی لحاظ سے طاقت ور بھی ہیں۔ آپ چاہیں تو یہ خیال بھی کر سکتے ہیں کہ آخری فیصلے کا انحصار آرائے کے شمار پر ہے۔ مگر آپ یا حکومت برطانیہ یا دونوں مل کر بھی ہماری رُوح فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہمارے موروثی تمدن کو برباد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہماری رُوح زندہ رہیگی۔ زندہ ہے، اور زندہ چلی آئی ہے۔ آپ کا دل چاہے تو ہم پر غلبہ پانے، سختیاں کرنے اور ہم سے بد ترین سلوک روا رکھنے کی کوشش کریں۔ مگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور یہی ہمارا عزم راسخ ہے کہ اگر ہم کو مرنا ہی ہے تو ہم لڑتے بھڑتے ہوئے مریں گے چنانچہ میں آج کی احتجاج ——— سچی احتجاج صرف بطور اقدام اوّل کرتا ہوں۔ یعنی اس ایوان میں برسر اجلاس اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ فنانس بل کے متعلق ہمارا رویّہ کیا ہے اور کیوں ہے؟

ہمارا کلیجہ کباب ہو گیا ہے۔ ہمارے دلوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ہمارا خون اُبل رہا ہے۔ ہم زحمتیں اٹھائیں گے۔ ہم آگ کے شعلوں میں سے گزریں گے ہمارا رویّہ یہ ہو گا کہ ہم کسی ترمیم کی تحریک نہ کرینگے۔ آپ اپنے اس مسودہ قانون سے خود ہی نپٹیں۔ ہم کانگرس پارٹی یا کسی اور پارٹی کی کسی ترمیم کی تائید نہیں کریں گے۔ ہماری غیر جانبداری کا یہ نتیجہ ہونا عین ممکن ہے کہ کانگرس کو فتح ہو اور حکومت کو شکست ——— کیوں کہ کانگرس کو کافی اکثریت حاصل ہے۔ مگر کانگرس کی فتح اس ایوان کے

اس چھوٹے سے کمرے تک محدود رہے گی۔ جسے "لوبی" کہتے ہیں۔ جہاں بے تکلفانہ طور پر بات چیت اور بحث وغیرہ ہوا کرتی ہے۔ اگر کانگرس کو اس سے کچھ حظ حاصل ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ آپ اہل کانگرس کو سچی فتح ـــــــ اصلی فتح اس وقت ہو گی جب آپ ہماری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ اور راہ رفاقت کی روکاوٹیں دور کریں گے۔

الغرض ہم نے قطعی فیصلہ کیا ہے کہ ہم کسی ترمیم کی تائید نہ کریں گے۔ چاہے اس کی تحریک کوئی پارٹی کرے۔ ہم حکومت کی مدد اس وجہ سے نہیں کریں گے کہ وہ ہمیں شہریت کے ابتدائی حقوق دلانے میں ناکام رہی ہے۔ اور وہ اختیارات محض فریب بلکہ بدتر از فریب ثابت ہوئے جو اس نے اس بہانے سے اپنے قبضے میں رکھے تھے کہ صوبوں کے گورنر جنرل اقلیتوں کے محافظ اور امین ہوں گے۔

اس لئے میں بذات خود اس بحث میں اور کوئی حصہ نہ لوں گا۔ مگر میری پارٹی کے ممبر اس امر کے مجاز ہونگے کہ جب ترمیمات پیش ہوں تو آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کریں تاکہ جناب رکن مالیات اور حکومت ہند کے معلومات میں اضافہ ہو۔

زیر بحث میزانیہ اور مسودہ قانون متعلقہ سے رکن مالیات اور کانگرس جس طرح چاہیں عہدہ برآ ہوں۔ کیونکہ اب اس کی برائی اور بھلائی کے وہی ذمہ وار ہیں۔

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی کے موقع پر ارشاد فرمائی۔

حضرات! مولانا شوکت علی مرحوم مستحق خراج تحسین و آفرین ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مسلمانوں کی خدمت میں صرف کیا۔ ان کی سب سے بڑی فی ذاتہٖ عظیم الشان خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا یہ تھی کہ وہ جس راستے کو راہ راست سمجھتے تھے اس پر گامزن ہونے سے سرمو انحراف نہ کرتے تھے۔ وہ اسلام کے صادق، مخلص اور وفادار خادم تھے۔ وہ کسی طمع کے سبب اس راہ سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ جاتے تھے جسے انہوں نے اپنے لئے انتخاب کیا ہو۔ اُن کے کام کا ڈھنگ بُرا ہو یا بھلا مگر جب وہ ایک بار فیصلہ کر چکتے تھے کہ شوکتِ اسلام کا راستہ یہ ہے تو وہ بے دھڑک ہو کر اس پر چلے جاتے اور نہ رُکتے تھے۔

جب اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا احیاء عمل میں آیا تو انہوں نے اس ادارے کے ذریعے خدمت اسلامیان کا فیصلہ کیا اور آخر دم تک اس پر ثابت قدم رہے اور میں نے انہیں ہمیشہ ایک مخلص اور مؤید رفیق کار

پایا۔ اگرچہ مولانا مرحوم آج زندہ نہیں ہیں لیکن مَیں مایُوس نہیں ہُوں کیونکہ کام کا ہنوز آغاز ہے۔ بہرحال ہماری جدوجہد چاہے وہ کتنی ہی مدت طلب ہو جاری رہے گی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان زن و مرد کو اس صورت حالات اور ماہیت کا احساس کامل ہو جس سے ہم دوچار ہیں۔ اور ہم دلچسپ مگر بیکار الفاظ و بے مصرف فقرہ بازیوں سے متاثر نہ ہوں۔

حضرات، آج مولانا ظفر علی خاں نے اپنی تقریر کے دوران میں مولانا شوکت علی مرحوم کی تعریف و توصیف کرتے ہُوئے مُسلمانوں کو تاکید کے ساتھ نصیحت کی کہ "وہ ہندوستان کو آزادی دلائیں اور وہ اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔" میرے نزدیک بظاہر یہ خیال خوب ہے۔ مگر اس مسئلہ کی حقیقی اہمیت یہ ہے کہ پہلے ہم خود آزاد ہو جائیں مَیں پوچھتا ہوں کہ جنگ آزادی کے لیے مسلمانوں کے پاس کون سے اسلحہ اور گولہ و بارود ہیں۔ ہماری قوت کی کیا کیفیت ہے؟ وہ سپہ سالار جو فوج کو صرف قتل ہونے کے لیے میدان میں بھیجے ناکارہ ہے۔

مجھے ہر روز مسلمانوں کے مختلف طبقات کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور مَیں بلحاظ طرز خیال و تمنائے ترقی ان میں اور ہندوؤں میں حیرت انگیز فرق دیکھتا ہُوں، فہمیدہ مسلمانوں کے خیالات سطحی ہیں اور یہ لوگ بڑی آسانی سے دلچسپ مگر بیکار الفاظ اور بے مصرف فقرہ بازیوں کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ لیکن ہندو عورتیں اور مرد یہاں تک کہ غیر تعلیم یافتہ بھی جن سے مجھے ملنے کا اتفاق ہُوا مسلمانوں سے کہیں دور آگے نکل گئے

ہیں۔ مَیں ہندوؤں کا بدخواہ نہیں ہُوں۔ مَیں خوش ہوں کہ وہ ہم سے زیادہ سازوسامان رکھتے ہیں۔ ہم سے بڑھ کر مسلح ہیں۔ میں ان سے حسد نہیں کرتا مگر مسلمان کئی لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ آبادی کے پہلو سے ہم کمتر ہیں اگرچہ مَیں تسلیم نہیں کرتا کہ کسی فرقہ کی آبادی کی کثرت اس کی طاقت کی علامت ہے۔ بہرحال مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ مالی لحاظ سے دیوالیہ اور اقتصادی پہلو سے بمنزلہ صِفر ہیں۔ اور تعلیمی نقطۂ نگاہ سے ابھی زینہ کے پاؤں میں کھڑے ہیں۔ مَیں آپ کو انتہائی تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ ایک مناسب حیثیت کے طلبگار رہیں تو اس کے لئے آراستہ دپیراستہ ہونا پڑیگا۔ اور استعداد پیدا کرنی ہو گی اور ان مسئلوں کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنا اور انہیں اچھی طرح سمجھنا ہو گا جو ہمیں درپیش ہیں۔ فخریہ باتیں بیکار ہیں مثلاً یہ کہ مسلمانوں نے اس ملک پر سینکڑوں سال حکومت کی اور ان کو اس وقت بھی حاکم بننے کا حق حاصل ہے۔ ہمیں ضرورت ہے محنت و مشقت کی استقامت کے ساتھ کوشش کی اور فرض اور ذمہ داری کے احساس کی۔ یہ ہے وہ طریق جس سے قوموں کی بنا ڈالی جاتی ہَے۔

حضرات! اب دورِ حاضرہ کے مسئلہ سیاسی کی سُنیئے۔ برطانیہ سارے ہندوستان پر حکومت کا خواہشمند ہے۔ مسٹر گاندھی اسلامی ہند کے حاکم بننا چاہتے ہیں۔ ہم طبع سلیم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو، یا یکجا طور پر دونوں کو مسلمانوں پر حکومت نہ کرنے دیں گے۔ دُنیا بھر کو علم ہے اور برطانوی حکومت نے بھی انہی ہوشیاری اور تیز فہمی کے سبب

سمجھ لیا ہے کہ مسلم لیگ ہی وہ ایک اور اکیلی جماعت ہے جو بجا طور پر اسلامی ہند کی نمائندہ ہے۔ مگر سیوگاؤں کے قرب و جوار میں ابھی سورج نہیں نکلا اور مسٹر گاندھی اندھیرے میں ہیں۔

حضرات! ہماری لیگ کے مالی وسائل بہت کم ہیں۔ اور نگ زیب روڈ نئی دہلی میں میرا مکان چاہے عالیشان ہی سمجھا جائے مگر میں پوچھتا ہوں کہ لیگ کا دفتر کہاں ہے؟ اور لیگ کی طرف سے میرے پاس ایک نائب، ایک ٹائپ رائٹر ہے، چمڑے کا ایک تھیلا ہے اور بس! میں اس امر کے خلاف ہوں کہ ہم اپنی مشکلات کو اصل سے بہت کم تصور کریں لیکن یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ میری ذہنیت شکست خوردوں کی ذہنیت نہیں۔ میں اپنی قوم پر کامل بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور مشکلات کے باوجود اسلامیان ہند باقی سب فرقوں سے بڑھ کر سیاسیات کے خوگر ہیں۔ سیاسی فہم و فراست ہمارے رگ و ریشے میں پیوست ہے اور اسلام کی رہی سہی طاقت ہماری نبض کو حرکت دے رہی ہے۔ مسلم لیگ اس وقت ایک وقیع ادارہ ہے۔ اس نے مسلمانوں کیلئے ایک مشترکہ حکمت عملی، ایک جھنڈا، ایک پروگرام (لائحہ عمل) اور ایک پلیٹ فارم (مرکز) مہیا کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اس منظم ادارے کو طاقت ور بنائیں۔ جب میں دیکھونگا کہ مسلم لیگ کے فیصلوں کے پابند صرف چند مسلمان نہیں بلکہ وہ بحیثیت مجموعی تعمیل کے لئے تیار ہیں تو میں کوچ کا حکم دے دونگا۔ میں کامل اتفاق رائے پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ یہ تو کسی قوم میں ممکن نہیں لیکن میں یہ اصرار ضرور کرونگا کہ مسلمانوں کی اکثریت پورے استحکام اور

دلی عزم کے ساتھ مسلم لیگ کی اعانت کرے۔ اگر یہ ہو جائے تو میں گولیوں کے سامنے سینہ تاننے کیلئے بھی تیار ہوں۔ بہرحال کوچ کا حکم دینے سے پہلے میں یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ دشمنوں کو شکست دینے کیلئے معقول مواقع موجود ہیں۔ جدوجہد کیلئے تیاری پر اصرار کرنا لازم ہے۔ ماہ ستمبر تک انگلستان تیار نہ تھا کہ ہٹلر کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ وقت حاصل کرنے کے لئے آسٹریا اور زیکوسلوویکیا قربان کرنے پڑے مسٹر چیمبرلین نے میونک جاکر ہٹلر کی منت سماجت کی۔ اب سب جانتے ہیں کہ مسٹر چیمبرلین نے معاہدہ میونک اس لئے کیا کہ ستمبر ۱۹۳۸ء میں انگلستان جنگ کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس وقت بھی برطانیہ ایک عظیم الشان طاقت نہ تھی اور اس کے پاس ایک زبردست بحری بیڑہ نہ تھا؟ پھر اس نے انتظار کیوں کیا؟ محض اسلئے کہ وہ پوری طرح سے تیار نہ تھا۔ اسی طرح مجھے بھی جب یقین ہو جائیگا کہ مسلمان جدوجہد کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو میں انکو میدان کارزار کی جانب کوچ کا حکم دونگا۔ اور وہ شخص جو اس وقت اپنی قوم سے غداری کرینگے بندوق کی گولی سے ہلاک کئے جانے کے قابل ہونگے۔ آج خود مسٹر گاندھی اس امر کے باوجود کہ انکی مدد کیلئے ایک عظیم الشان اور طاقتور ادارہ موجود ہے۔ وہ غیر محدود وسائل رکھتے ہیں اور ان کو اخبارات کا سہارا ابھی حاصل ہے، تحریک سول نافرمانی شروع کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ ابھی تیار نہیں ہیں اور تیاری کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ:۔

آؤ ہم تیاری کریں!"

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے ایک اجلاس میں
۲۵ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی،

"یہ تقریر ان پانچوں مطالبوں کے متعلق ہے جو لیگ کی طرف سے مسٹر جناح نے وائسرائے سے کئے۔ دونوں کے مابین مذاکرات ہوئے اور خط و کتابت ہوئی۔ مسٹر جناح اس دوران میں لیگ کی مجلس عاملہ کو وقتاً فوقتاً صورت حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ اس پر مجلس عاملہ قراردادیں منظور کرتی رہی اور ان میں لیگ کا نقطہ نگاہ ضبط تحریر میں لاتی رہی۔ آخر قرارداد ۳ فروری ۱۹۴۰ء کو منظور کی گئی۔ جو بتاریخ ۷ فروری وائسرائے کو بھیجی گئی۔ اس میں بالعموم حکومت کے جوابات کی کیفیت غیر تسلی بخش قرار دی گئی۔ ذیل کی تقریر میں مسٹر جناح لیگ کے مطالبات اور وائسرائے کے جوابات پر روشنی ڈالتے ہیں اور کونسل کو بتاتے ہیں کہ وائسرائے کے آخری فیصلے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

نیز یہ کونسل بذا اس اجلاس میں مجلس عاملہ کی قراردادوں کی تصدیق کرے تاکہ ان امور کے متعلق مسلمانوں کو لیگ کی مصدقہ آراء سے آگاہی حاصل ہو۔"

حضرات! ہمارے پانچ مطالبات میں سے پہلا مطالبہ جس کی نسبت قیاس

ہے کہ جناب وائسرائے کو غلط فہمی ہوئی ہے، یہ تھا کہ ہندوستانی افواج سے کسی اسلامی مملکت کے خلاف یا ہندوستان سے باہر کام نہ لیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ افواج دفاعِ ہند کے لئے مصروف کارو پیکار نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہو تو افواج ہند کا فرض ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کرنے کے لئے لڑے۔

ہمارا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے جناب وائسرائے ایک صاف اور واضح اعلان کریں کہ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء قطعی طور پر منسوخ کیا جائیگا اور اس تجربہ کی روشنی میں جو گزشتہ اڑھائی سال کے اندر قانون ہذا کے آئین کے عمل دخل سے ہُوا ہے یا جو آئندہ حاصل ہوگا۔ آئینی اصلاح کی ساری تدبیر پر از سرِ نو غور کیا جائیگا۔ حضرات جناب وائسرائے نے اس مطالبہ کا تسلی بخش جواب دیا اور یقین دلایا ہے کہ نہ صرف قانون ۱۹۳۵ء کا بلکہ اس حکمت عملی اور ضرورتوں اور تجویز دل کا بھی امتحان کیا جائیگا۔ جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ہمارا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ آئین ہند کے متعلق کوئی ایسا اعلان یا قانون قبول نہ کرینگے جس کے لئے انکی رضامندی حاصل نہ کی جائے۔ نیز یہ کہ اس کے ضمن میں عارضی طور پر اور دوران جنگ کیلئے بھی کوئی سمجھوتہ کسی پارٹی کی دھمکیوں اور حاکمانہ فرمائشوں کے سبب نہیں ہونا چاہیئے چاہے یہ پارٹی کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو یہ ضروری ہے کہ ایسے سمجھوتہ کیلئے مسلمانوں کی رضامندی پہلے حاصل کر لی جائے اس معاملے کی نسبت جناب وائسرائے نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو مسلمانوں کی منزلت اور اہمیت کا کامل احساس ہے اور کوئی سمجھوتہ جس میں وہ نظر

انداز کئے جائیں بعید از فہم ہے۔ حضرات! میرے نزدیک یہ بیان تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کیلئے صرف مشورے اور سفارش کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ حالانکہ مسلمان اپنے انجام اور قسمت کے متعلق خود ہی آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔

حضرات! ہمارا چوتھا مطالبہ عربوں کے مسئلہ کے متعلق تھا۔ لیگ تاکیداً کہتی ہے کہ اس معاملہ کے طے کرنے میں محض کوششیں ناکافی ہیں اس لئے حکومت برطانیہ کو لازم ہے کہ عربوں کی تسلی و تشفی کے مطابق فی الفور کوئی پائدار بندوبست کرے۔

حضرات! ہمارا پانچواں اور آخری مطالبہ کانگرسی وزارتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کی شکایات اور تکالیف کے متعلق تھا۔ یہ درست ہے کہ ان کی وزارتوں کی عدم موجودگی میں گورنر جنرل کوئی دخل نہیں دے سکتا مگر اس سوال کے دو پہلو غور طلب ہیں اول یہ کہ ہم نے نہایت اچھی طرح سے یہ بات واضح کر دی تھی کہ کانگرسی حکومت کے صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم کیا گیا تھا اور لیگ کے اراکین بالخصوص نشانہ تیر ستم بنائے گئے تھے۔ کانگرس ہائی کمانڈ (کانگرس کے مختاران مطلق) نے ان بیانات کو جھوٹا قرار دیا مگر انکی تحقیقات کیلئے ایک عدالت کے تقرر پر اظہار رضامندی کیا۔ یہ ایک بیہودہ تجویز ہے جسکی وجوہات بیان کی جا چکی ہیں اس کے مقابلہ میں میں نے ایک شاہی مجلس تحقیقات کے تقرر کی پیشکش کی جو برطانوی ہائی کورٹ کے دو جج اور بطور صدر مجلس شاہی کونسل (پریوی کونسل) کے ایک لارڈ پر مشتمل ہو۔ اس قسم کی عدالت کو ہمارے ملک کی زہریلی فضا سے کوئی واسطہ نہ ہوگا اور اسے حلفیہ شہادتیں لینے اور لوگوں کو ضروری کاغذات پیش کرنے پر مجبور کرنے کے اختیارات بھی حاصل ہونگے۔ انصاف

کا واحد وسیلہ یہی ہے۔ مگر کانگریس نے میری تجویز کو بدیں وجہ سرپائے استحقار سے ٹھکرا دیا کہ یہ تو امداد ملکِ غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے کے برابر ہے۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ خود کانگریس نے جب سر ماریس گوائر، چیف جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا کو اس تحقیقات کیلئے تجویز کیا تھا تو گویا اس خیال سے کہ یہ صاحب "سودیشی" ہیں اور انہوں نے وار دھا میں جنم لیا تھا۔ الغرض ہم اس مطالبہ کا تکرار کرتے ہیں۔ اس معاملہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آیا کانگریس کے مختاران مطلق کی محکوم وزارتیں ایک بار پھر برسرِ حکومت ہوں؟ یوم نجات کے مظاہروں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی ہے، کہ جملہ غیر کانگریسی جماعتیں اور طبقے ان کانگریسی حکومتوں کے خلاف ہیں۔ ان میں ہندو مہاسبھا کے ہندو بھی شامل ہیں اور یوم نجات کے جلسوں میں ان سب نے ہمارے ساتھ مل کر لیگ کے پلیٹ فارم پر دعائیں مانگیں۔

حضرات! اب میں اقلیتوں کی حفاظت کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ آپ اور آپ کی لیگ کا اہم ترین کام یہی ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کامل طور پر قانوناً محفوظ ہوں اور ان کے جملہ جائز مطالبات پورے کئے جائیں۔ آپکو یاد ہوگا کہ حال میں مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو نصیحت کی کہ وہ بلا تشدد اگر ضرورت ہو تو تشدد سے اپنی حفاظت خود کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو بھی یہی رائے دی۔ اس پر عمل کرنیکے یہ معنی ہونگے کہ اقلیتوں کو غیر سرکاری (پرائیویٹ) افواج پر انحصار کرنا ہوگا کیونکہ حکومت انکی حفاظت سے قاصر ہے۔

حضرات! یوں تو کانگریس کے خلاف ہماری شکایات کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ مگر بالخصوص دو امور مسلمانوں سے کوشش موفور کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایک تو اسلامیان ہند کی حیثیت "بطور قوم" اور دوسرے ہماری منزل مقصود۔ یعنی بار دِ اغیار یا یوں کہیئے کہ ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت دونوں سے آزادی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے

اتحاد کیلئے مسٹر گاندھی نے جو کوششیں ۱۹۲۵ء سے اس وقت تک کی ہیں انکی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کبھی تو انکو روشنی نظر آتی ہے اور کبھی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ مگر مسئلہ کی اصلیت کبھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتحاد مابین ہندو مسلم کے لیے لیگ کو لازم ہے کہ ہندو مہا سبھا کے ساتھ مذاکرات کرے۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر کانگریس کس کی نمائندہ جماعت ہے؟ کیا مسلمانوں کی بھی؟ میں کانگریس اور مسٹر گاندھی کو کہوں گا کہ وہ اس امر کا کامل احساس کر لیں کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک ممیز قوم۔ اس کے خلاف کانگریس جو کہتی ہے غلط ہے۔ ایک فریب ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو مطیع بنانا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر ہماری منزلِ مقصود کچھ اور ہے جسکی نسبت کانگریس کہتی ہے کہ ہم ابھی تک اسے نہیں سمجھے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اب بھی نہیں سمجھے تو قیامت تک نہیں سمجھیں گے بات بالکل سیدھی ہے۔ برطانوی چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس کی خواہش ہے کہ ہم ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان دونوں پر حکومت کریں۔ ہم کہتے ہیں کہ برطانیہ یا مسٹر گاندھی اور کانگریس کے محکوم ہرگز نہ بنیں گے۔ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں حصول آزادی کے لئے اپنی تنظیم کرنی چاہیئے۔ یہ ہے ہم اراکین لیگ کا پیغام اسلامیان ہند کے نام۔ آپ اسے ہر مسلمان تک پہنچائیں اور اس امر کی تشریح بھی کریں کہ اس کا مفہوم و منشا کیا ہے۔ اور لیگ کس چیز کی علمبردار ہے۔

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مُسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے اجلاس منعقدہ
۶ر مارچ ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی۔

قائداعظم کے حسب ذیل ارشادات اس لحاظ سے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہندوؤں کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہیں کہ خود اصلاحات آئینی جو لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے کے وقت میں قرار پائیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت بطور ایک قوم ہے نہ کہ اقلیت۔ اسلامی قومیت کے مخالف ان اصلاحات کو اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے معاہدۂ لکھنؤ پر صاد کر کے اپنے آپ کو ایک اقلیت ٹھہرایا۔ قائداعظم دلائل قاطع سے اس کے خلاف ثبوت دیتے ہیں۔ اس تقریر کا دوسرا اہم جزو "بزم باشندگان" یا کنسٹیچوائنٹ اسمبلی کی بحث ہے (Constituent) لغت میں "جزو" یا حصّہ کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ تمام اجزا یا حصص جس پر کوئی چیز مشتمل ہو ہندوستان کے آئندہ آئین کے لئے ایسی مجلس

کے تقرر کی تجویز کی جارہی ہے۔ جس میں نہ صرف بڑے بڑے طبقات اور جماعات اور مجالس کے نمائندے ہوں بلکہ ملک کے جملہ بالغ باشندے اپنے نمائندے انتخاب کریں اور ان پر مجلس مذکورہ مشتمل ہو۔ فرض منصبی کے لحاظ سے اس مجلس کو "مجلس آئین ساز" کہنا بھی مراداً درست ہے۔ اس تشریح کے بعد مطالب کا مفہوم سمجھنا آسان ہونا چاہیئے۔ یہاں اس آسانی کو مدنظر رکھ کر مجلس ہذا کا ذکر مجلس باشندگان کے نام سے کیا جائے گا ــــــ"

حضرات! اصلاحات منٹو مارلے کے زمانہ سے اکثر و بیشتر اشخاص نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ مسلمانان ہند کی حیثیت بطور ایک اقلیت ہے اور اس لئے ان کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تحفظات کی حاجت ہے۔ مگر جب ہم مسلمانوں نے یہ اصطلاح (اقلیت) استعمال کی تو ہماری مراد یہ نہ تھی۔ بلکہ ہمارے ذہن میں قطعی طور پر ایک مختلف چیز کا تصور تھا یعنی ہم ایک جدا سیاسی "وجود" ہیں جس کی ہستی کا قائم رکھنا لازم ہے۔ جداگانہ حلقہائے انتخاب کی منظوری کو مسلمانوں کے اسی دلی احساس کا نشان سمجھنا چاہیئے۔ معاہدہ لکھنؤ پر اسی مقصود ذہنی اور یقین دلی کے ساتھ دستخط کئے گئے۔ چنانچہ قرار پایا کہ دو قطعاً جدا اور ایک دوسرے سے اہم ترین امتیاز رکھنے والی ہستیاں باہمی قول و قرار کر رہی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہندوؤں نے اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا اور خیال کیا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جس پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنی چاہیئے۔

مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دے کر اپنی حفاظت اور سلامتی کا فاسد یقین دلایا گیا اور اقلیت کی اصطلاح نے تاریخی، آئینی اور قانونی رنگ اختیار کیا۔ مسلمان کسی طرح سے بھی یورپی اقلیتوں کے مانند نہیں۔ جب موجودہ اصلاحات مرتب ہو رہی تھیں تو مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی اور شمالی مغربی صوبے کے لئے درجہ مساوات کا مطالبہ کیا مگر ہندوؤں نے اور کانگرس نے اس کی شدید ترین مخالفت کی۔ ہم چاہتے تھے کہ ہمیں کم سے کم ان علاقوں میں جہاں ہماری اکثریت ہے قطعی طور پر اختیارات واقعی حاصل ہوں۔ ایک موقع پر جب یہ امر زیر بحث تھا۔ مولانا محمد علی کانگرس کے بیگانہ دلیل رویہ سے متنفر ہو گئے اور بے اختیار ہو کر پکار اُٹھے کہ "میں اس امر پر اصرار کرتا ہوں کیونکہ کراچی سے کلکتہ تک علاقہ میرا ہے"۔ بہر حال یہ حقیقت اب تو بالکل عیاں ہو گئی ہے کہ ہم ایک ممیز اور مستحکم و استوار قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں بارہا اس کا اعلان کر چکا ہوں مگر تھوڑے دن ہوئے جب میں نے مسٹر گاندھی کو ایک خط میں یہ بات لکھی تو انہوں نے کہا کہ "اتحاد مابین ہندو مسلم کے متعلق میری ساری امیدوں کا قلع قمع ہو گیا"۔ اب سوال یہ ہے کہ اس اتحاد اور ان امیدوں سے ان کا مطلب کیا ہے، اور مدعا کیا؟ میری رائے میں ان کا مقصد مسلمانوں کو تابع فرمان بنانا اور ہندو راج کو حکومت میں لانا ہے۔ چونکہ میں اپنی تمام قوت سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اس لئے ملک کا بدترین اور مستحق نفرین مسلمان سمجھا جاتا ہوں۔ اگر میں مسٹر گاندھی کا سدِ راہ نہ ہوتا اور انہیں اجازت دیتا کہ جس طرح چاہیں مسلمانوں کی نسبت طریق عمل اختیار

کریں۔ تو آج ہمارے حق میں اس سے بڑھ کر کوئی آفت اور تباہی نہ ہوتی اور دنیا نہ دیکھتی کہ کس طرح ہم کھلے طور پر آزادی کے ساتھ بعض قطعی اور واضح امور فیصلہ طلب کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت تک کوئی قرارداد کیوں نہیں ہوئی؟ میرا جواب یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی فیصلہ اور سمجھوتہ ممکن نہیں اس لئے کامل مساوات لازم ہے۔ ہمیں اس ملک پر حکومت کرنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا ہندوؤں کو۔

ہم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مستقل تصفیہ کے خلاف کبھی دشمنی کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ صوبائی حکومتوں پر قبضہ پانے کے بعد کانگریس نشۂ اختیار سے سرشار ہو گئی اور سارے ہندوستان پر فوقیت حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگی۔ مگر کانگریس کے مختاران مطلق اپنے طریق عمل سے خود ہندوؤں کا نقصان کر رہے ہیں۔

دو سال ہوئے میں نے شملہ میں کہا کہ ہندوستان کیلئے پارلیمانی جمہوری نظامِ حکومت غیر موزوں ہے اس پر کانگریسی اخبارات نے میرے خلاف طعن و تشنیع سے کام لیا اور مجھے بتایا کہ "تم اسلام کو نقصان پہنچانے کے مجرم ہو کیونکہ وہ جمہوریت کی تلقین کرتا ہے"۔ مگر جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظامِ حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ کہ اگر آپ

کو جمہوریت ناپسند ہے تو خواہشمند کس چیز کے ہیں؟ کیا فاشیئت یا نازیت یا آمریت درکار ہے؟ مَیں کہتا ہوں کہ جمہوریت کے ان فدائیوں اور حامیوں نے کیا کر کے دکھایا ہے؟ انہوں نے چھ کروڑ بندگان خدا کو اچھوت بنا رکھا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کیا ہے جو سوائے "فاشیتی مجلس اعظم" (گرینڈ فیسٹ کونسل) کے کچھ نہیں۔ ان کا آمر (ڈکٹیٹر) کانگرس کا چار آنے دینے والا ممبر بھی نہیں۔ یہ لوگ بے جان وزارتیں قائم کرتے ہیں جو مجلس قانون ساز یا رائے دہندگان کے بجائے مسٹر گاندھی کے مقرر کردہ مختاران مطلق کے سامنے جواب دہ تھیں۔ مزید برآں جمہوریت کی عام کیفیت تو یہ ہے کہ خود ارض مغرب کے مختلف ممالک میں بھی اس کے مختلف نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے مَیں قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کے لئے جہاں حالات مغربی ممالک سے کلیتہً مختلف ہیں۔ یہ نام نہاد جمہوریت قطعاً غیر موزوں ہے اور اسی طرح برطانیہ کا نظام حکومت بھی بے کار ہے جس کا امتیاز خصوصی یہ ہے کہ پارلیمان کے اراکین پارٹیوں یا فریقوں میں منقسم ہوں۔

اب مَیں موجودہ صورت حالات پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ آغاز جنگ میں جب مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے گئے تو ویسٹ منسٹر ایبے اور ایوان ہائے پارلیمان کی تباہی کا تصور کر کے بدرجہ اشد بے قرار ہو گئے۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور فرمایا کہ اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہوئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل؟ انہوں نے یہ بات اپنے اس یقین کی بنیاد پر کہی کہ اگر برطانیہ ہندوستان سے رخصت ہو گیا تو

ان کو آزادی حاصل نہ ہو سکے گی۔ مگر سیوگاؤں پہنچتے پہنچتے ان کا یہ خیال بدل گیا اور انھوں نے یک قلم یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا جائے اور کنسٹیچوا ینٹ اسمبلی "مجلس باشندگان" طلب کی جائے۔ اس کی بنیاد جملہ باشندگان بالغ کو حق رائے دہندگی دینے پر رکھی جائے اور یہ مجلس ہندوستان کے لئے آئین مرتب کرے جس میں مستند اور جائز طور پر مستحق اقلیتوں کے لئے بعض خاص تحفظات شامل ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مستقل تصفیہ کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد مسٹر گاندھی کو مجلس باشندگان کا یہ نیا خیال سوجھا۔ انھوں نے اسے غنیمت جانا اور دعویٰ کیا کہ یہی ہے وہ شے جو ہندوستان کے ہر درد کا دارو ثابت ہوگی۔

میں کہتا ہوں "فرض کیجئے اس سے اقلیتیں مطمئن نہ ہوئیں تو پھر کیا کیا جائے گا؟" اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ "اس کا فیصلہ ایک عدالت عظمیٰ کے ہاتھ میں دیا جائے گا" مگر یہ مسئلہ تو معاشرتی معاملے کا کروڑہا اشخاص کے لئے تعمیر آئین کا ہے۔ اس کی نسبت کوئی عدالت قانونی فیصلے کی مجاز نہیں۔ اس پر دیگر اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ عدالتی فیصلہ ہو گیا اسے عمل میں کون لائے گا اور عدالت کا حکم لوگوں سے منوائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ اہل کانگرس اسے اپنے اصلی ارادوں پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کسی غیر ملکی حکومت کو کہنا کہ مجلس باشندگان طلب کرے اور اس مجلس کے مرتبہ آئین کو جامہ عمل پہنائے اور پھر ملک سے نکل جائے تاریخ اور سیاست کے لحاظ سے ایک بیہودہ تجویز ہے۔ ایک "مجلس باشندگان" صرف

اسی وقت وجود میں آسکتی ہے جبکہ اہل ملک نے شاہی اختیارات پر قبضہ پالیا ہو۔ پھر کچھ عرصہ بعد مسٹر گاندھی نے اپنے مطالبہ میں ردّوبدل کیا اور کہا کہ "اس مجلس کے برابر کا کوئی بدل ہو تو میں مطمئن ہو جاؤں گا" مگر اس امر کا فیصلہ کون کرے گا کہ "برابر" کا بدل کیا ہو؟ مسٹر راجگوپال اچاریہ کہتے ہیں کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تازہ انتخابات ہوں اور ان کے جملہ اراکین پر "مجلس باشندگان" مشتمل ہو۔ مسٹر پٹیل ان سے بھی بازی لے گئے وہ کہتے ہیں کہ صوبائی مجلس کے موجودہ اراکین ہی اس مجلس کے ممبر ہوں گے مگر مونجے اور ساورکر اس پر رضامند نہیں کیونکہ ان کی آواز کو موجودہ مجالس میں دخل نہیں، کیا یہ سب حضرات یہ باتیں سنجیدگی سے کر رہے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کا مدعا برطانوی حکومت کو تنگ کرنا اور اس سے جبراً کچھ لے مرنا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت یہاں سے نکل بھاگے بلکہ چاپلوسی، دھمکی اور مجبوری سے دب جائے اور انہیں ایک ایسی چیز دے ڈالے جسے وسیلہ بنا کر وہ برطانوی حفاظت کے زور سے مسلمانوں کو محکوم بنائیں۔ ان امور کے پیش نظر مسلم لیگ کے لئے صورت حال کیا ہے؟ ہمارے دائیں بائیں دو آفتیں ہیں برطانویوں کو کہاں کی جلدی پڑی ہے کہ وہ ہندوؤں یا مسلمانوں کے حوالے حکومت کر دیں وہ اپنے مطلب کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا کہ برطانوی حکومت اعلانات شائع کرے اور یہ چیخ پکار بھی بے مصرف ہے کہ ہمیں آزادی دے دے، برطانوی یہ کام کبھی نہیں کریں گے۔ برطانوی حکومت کے ہر اعلان میں آپ ہمیشہ کوئی نہ کوئی رخنہ پائینگے اس کے

مقابلہ میں ہم ایک صاف اور قطعی مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ یعنی قانون ۱۹۳۵ء از سرتاپا منسوخ کیا جائے اور آئین ہند کے مسئلہ کا امتحان اس ناکارہ صوبائی خود مختاری کے تجربہ اور آئین کی ترتیب سے پہلے پیش آنے والے حالات کی روشنی میں از سر نو کیا جائے۔ اس کے متعلق بعض تشریحات ابھی سے موجود ہیں۔

جناب وائسرائے کہتے ہیں کہ "میرے اعلان میں یہ بات شامل ہے کہ اس برطانوی حکمت عملی اور تجویز و تدبیر کا از سر نو امتحان کیا جائے گا۔ اس پر آئین مبنی ہوگا"۔ بیشک اس سارے معاملہ پر بحث ہوگی مگر اندریں عرصہ برطانوی حکومت کو اس مصروفیت سے فرصت ہی نہیں کہ مسٹر گاندھی اور کانگرس کو تخیلات کے آسمان سے اترنے اور واقعیت کی زمین پر آنے کے لئے آمادہ اور راغب کریں جہانتک ہمیں دخل ہے ہم اس مسئلہ کو واقعات اور حقائق کی رُو سے حل کرنے کو حاضر ہیں۔ مگر ہمیں بعض سچے خدشے لاحق ہیں۔ ہمیں خوف ہے کہ برطانوی حکومت ایک بار پھر مسٹر گاندھی کو یہ موقع دیدے گی کہ وہ مسلمانوں کو تابع فرمان بنانے اور فنا کر دینے کے لئے اپنی تدبیر پر کاربند ہوں۔ میں امکانی اصرار اور زور سے کہتا ہوں کہ برطانوی حکومت اگر کانگرس کے ساتھ آج کل یا کچھ دیر بعد کوئی ایسا تصفیہ کرے گی جو مسلمانوں کے حق میں ضرر رساں ہو تو ہم اسے ہرگز قائم نہ رہنے دیں گے۔ اگر ہمارا خوف درست ثابت ہوا تو جملہ اشخاص و جماعات متعلقہ کو خبردار رہنا چاہیئے کہ مسلمان اس قسم کے تصفیہ کا مقابلہ کرنے میں اپنے تمام وسائل استعمال میں لائیں گے اور اسے لاشے بنا کر رہیں گے۔ کسی دوسرے شخص پر انحصار کرنا بے کار ہے ہمیں اپنے

آپ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ مَیں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں۔ مگر انحصار صرف ذاتی قوتوں پر کروں گا۔ اس وقت تک مسلم لیگ نے معقول کام کیا ہے۔ مگر ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس وقت ہندوستان میں بھی فی الحقیقت جنگ ہی ہو رہی ہے۔ مَیں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں اور مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ایک مستحکم اور مضبوط پیکر فولاد کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہیئے۔ اپنی قوم کی تنظیم و تربیت کیجیئے اور ان کو ادب و تادیب کا خوگر اور عادی بنائیے۔ ہماری قوم ہمارے ساتھ ہے۔ آپ رکاوٹوں سے پراگندہ خاطر نہ ہوں۔ ہاں مسلمانوں کو منظم اور یکجا کریں۔ اور فوجی قواعد کی طرح پابند کار بنائیں۔ اس طرح آپ ان کو ایک ایسے حیرت افزا لشکر سیاسی میں تبدیل کر لیں گے جیسے چشم ہند نے کبھی بھی نہیں دیکھا۔ اس طرح ہم جلد تر آزادی کی منزلِ مقصود پہ پہنچ جائیں گے۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے بہ اجلاس عربک کالج سٹوڈنٹس یونین۔ دہلی
منعقدہ نومبر ۱۹۴۰ء میں ارشاد فرمائی۔

"آغازِ جنگ سے کانگریس گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہی ہے البتہ اس کا مقصد واحد ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جس طرح سے بھی ہو، اسلامیانِ ہند اور ملک کی اقلیتوں پر اپنا سکہ بٹھائے۔ جنگ نے کانگریس کو متعدد مواقع دیئے کہ مختلف النوع طریق کار اختیار کرے ان میں سے انفرادی ستیہ گرہ کی مہم تھی جس پر نومبر سنہ ۴۰ء میں عمل شروع کیا گیا۔ اس کی بنیاد آزادیٔ تقریر کے حق پر رکھی گئی حالانکہ جنگ کی صورت میں کوئی مہذب حکومت چاہے وہ کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ خود اپنی قوم کی بھی زبان ایک حد تک بند کر دیتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ حکومت برطانیہ نہ صرف آزادیٔ تقریر قبول کرے بلکہ کانگریس کے مطالبے کے موافق اس امر کی بھی اجازت دے کہ تقریروں کے ذریعے لوگوں کو عدم شمولیت جنگ پر آمادہ کیا جائے۔ قائداعظم نے اس تقریر میں کانگریس

کی بہانہ سازیوں اور اُس کے اصلی مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔"

حضرات! کانگریس کے جنگی مقاصد پر بحث کرنے سے پہلے مجھے اس خوش گوار حقیقت سے آپ کو آگاہ کرنا ہے کہ گزشتہ تین سال میں مسلم لیگ قوی سے قوی تر ہوتی چلی گئی ہے مگر اسی نسبت سے اس کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے۔ اب اس سے عہدہ برآ ہونا آپ کا فرض ہے آپ اسے کچھ اس خوبی سے ادا کریں کہ مسلم لیگ روز بروز بیش از بیش طاقت ور اور بارسوخ ہوتی جائے اور کامیابیوں پر کامیابیاں اس کا حصہ ہوں تا آنکہ ہم اپنی منزل مقصود کو جالیں۔ آپ کو یہ بھی لازم ہے کہ نہ صرف اپنی طاقت کا احساس کریں بلکہ اپنی ہر خامی اور ہر کمی سے آگاہ رہیں اور ایسی تعمیری کوششیں کام میں لائیں جن سے خامیاں دور ہوں اور قوت میں اضافہ۔

حضرات! اب میں کانگریس کے جنگی مقاصد اور برطانوی حکومت سے اس کی مخالفت کو توجہ دیتا ہوں۔ کانگریس اس امر کی مدعی ہے کہ "ہماری سول نافرمانی حصول آزادی ہند کیلئے ہے۔" مگر میں پوچھتا ہوں کہ آیا یہ دعوٰی واقعی درست ہے؟ کچھ بہت مدت نہیں ہوئی کہ مسٹر گاندھی نے گزشتہ سال بتاریخ ۲۹ اکتوبر ایک مضمون میں یہ لکھا تھا کہ "اگر آج ہندوستان سے برطانوی چلے جائیں تو شمال کی طرف سے پنجابی اور ساتھ ہی گورکھے ملک میں تنگ و تاز کرنے لگیں گے۔" مگر پنجابیوں سے ان کی اصلی مراد مسلمان تھے۔ مسٹر گاندھی نے یہ بھی لکھا کہ اگر کوئی جماعت

ہندوستان میں برطانوی فوقیت کی خواہشمند ہے تو وہ کانگریس ہے جو جملہ باشندگانِ ہند کی نمائندہ ہے اور ان کی مستند انجمن۔

حضرات! میں یہ دعوے درست ماننے کے ناقابل ہوں کہ اہل ہنود اور کانگریس ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تحریک سول نافرمانی کیوں جاری کی گئی۔ اس کا مقصد ہے برطانوی حکومت کو مجبور کر کے اس سے یہ منوانا کہ کانگریس وہ ایک اکیلی جماعت ہے جو تمام باشندگانِ ہند کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور اسی کو اس کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ برطانوی حکومت کو مخاطب کر کے کانگریس یہ کہتی ہے کہ "ہمارے ساتھ قول و قرار اور تصفیہ کر لو۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ ہم تمہاری فوقیت اور حکومت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ پس ہمارے ساتھ صلح کی شرائط طے کر لو اور مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو نظر انداز کر دو"

حضرات! آزادیٔ ہند کے لئے کانگریس کی کوششوں کے ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے جو نہ صرف کانگریس کی مجلس مختاران مطلق (کانگریس ہائی کمان) کے ایک رکن ہیں بلکہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر بھی ہیں، مسلمانوں اور غیر کانگریسی ہندوستانیوں سے یہ اپیل کی ہے کہ آپ ہماری راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور کانگریس کو اپنی رائے اور طریق کے مطابق ہی آزادی کی لڑائی لڑنے دیں۔ مگر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کے خلاف کانگریس کے جنگی مقاصد کیا ہیں۔ ہمارے علم و یقین کے مطابق تو یہی کہ جہاں تک ممکن ہو برطانوی حکومت

پر دباؤ ڈالا جائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ ہم مسلمانوں کو مجبور کرے اور ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کر کے ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال دے۔ یہ ہے کانگریس کا جنگی مقصد۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس فریبندہ حکمت عملی سے حاصل ؟ ہم تو دھوکا نہیں کھائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کی ساری حکمت عملی اس چمگادڑ کی حرکات کی طرح ہے جو کسی کمرے میں داخل ہو گئی ہے اور چاروں طرف چکر لگاتی اور دیواروں سے ٹکراتی ہے مگر یہ دیکھنا نہیں چاہتی، نہ دیکھ سکتی ہے کہ دروازہ بالکل کھلا ہے اسلیئے ہمارے لیئے یہ ناممکن ہے کہ کانگریس کی تحریک کو خاطر جمعی سے دیکھیں۔ ہمیں لازم ہے کہ اس پر سخت تشویش کے ساتھ نگاہ ڈالیں۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ براہ کرم اس خوفناک حالت میں جس کی ذمہ دار فقط کانگریس ہے نہ دخل دیں نہ پھنسیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ اگر حالات نے ہمارے اغراض ومفاد کے خلاف رنگ اختیار کیا تو ہم محض تماشائی حاضرین نہ ہونگے بلکہ ضرورت پڑی تو اپنا فرض ادا کریں گے اور دخل دیں گے۔ اس تنبیہ کو ہر شخص سمجھ لے۔

حضرات! مسلمانوں کو اپنا آلہ کار بنانے کے لئے کانگریسی لیڈر اخبارات میں اکثر اوقات بیانات شائع کرتے رہتے ہیں مگر ان سے ان کو کوئی مدد نہ ملے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ " ہم مسٹر جناح کو یا مسلم لیگ کے کسی اور نامزد شخص کو حکومت ہند کا وزیر اعظم بنانے کے لئے تیار رہیں۔ مسلمان چاہیں تو تمام اختیارات پر قابض ہو جائیں ہمیں ان کی خواہش

نہیں۔ ہم برطانوی حکومت کی بجائے مسلم حکومت قبول کرنے کو تیار ہیں۔"

حضرات! آپ ہی بتائیے کیا اس بیان پر کوئی ہوشمند آدمی جس کے دماغ میں عقل و تمیز کا شمہ بھی ہو یقین کر سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، مسلمان بالغ ہو گئے ہیں۔ سیانے ہو گئے ہیں۔ ان میں آج سے تین برس پہلے کی بہ نسبت فرق آگیا ہے۔ کامل فرق، بنیادی فرق، زمین و آسمان کا فرق۔ اور مجھے یقین ہے۔ ایسا ہی یقین جیسا اس وقت اپنے زندہ ہونیکا کہ آج سے پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے بمقام دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پہلی کانفرنس
کی رسم افتتاح کے موقع پر نومبر ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! ہم مسلمانوں کا پختہ خیال ہے کہ موجودہ جنگ کے سبب نہ صرف برطانیہ بلکہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے۔ ہماری حالت ایسی ہے کہ اگر برطانیہ نے نیچا دیکھا اور برطانوی حکومتِ ہند درہم برہم ہو گئی تو ہم سب یقیناً خطرے میں پڑیں گے۔ علاوہ بریں دیگر وجوہات سے قطع نظر کرنے پر بھی ہم نہیں چاہتے کہ نازیوں کو فتح حاصل ہو۔ ہم برطانیہ کی فتح کے طالب ہیں۔ اس میں ہمارے آقاؤں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں۔ ہم برطانیہ سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شروع سے ہی برطانیہ کی راہ میں رکاوٹیں نہیں ڈالیں۔ مثلاً باوجودیکہ پاکستان ہماری کشتی کا لنگر ہے ہم نے اسے برطانیہ کی دلی اور پوری امداد کرنے کی شرطِ اوّلین نہیں قرار دیا۔ ہم نے اگر طلب کیا تو یہی اقرار کہ برطانوی حکومت ہمارا ساتھ نہ چھوڑے گی۔ یعنی صرف کانگرس کے ساتھ کوئی قطعی یا عارضی تصفیہ نہ کرے گی۔ یہ اقرار محض دورانِ

جنگ کا ایک معاہدہ تھا اور اس میں یہ بات شامل نہ تھی کہ ہم یا برطانوی حکومت اس وقت یا آئندہ کے لئے کوئی خاص پابندیاں اختیار کر رہے ہیں۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آدمیوں سے، روپے سے اور سازوسامان سے بہت بڑی مدد دیں گے۔ بلکہ یوں کہئے کہ ہم نو کروڑ مسلمانوں کی کامل امداد پیش کرتے ہیں۔ میں اپنی اور برطانیہ کی مشترکہ طاقت میں ان سب کو شامل کرنے کے لئے تیار ہوں مگر لازم ہے کہ مجھے اختیارات میں برابر کا حصہ، سچا اور پُر اثر حصہ دیا جاوے۔ اس بے سمجھ اور پرانی لکیر کے فقیر حکومت کے حامی اور اس کی غلطیوں کو صحیح بتانے والے لوگ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح کی تجویزیں رفع داد باہمی کی نفی کرتی ہیں، یہ لوگ صرف اس اقرار پر ہماری امداد کے طلبگار ہیں کہ جنگ کے بعد ہم وفادار ملازموں کی طرح یاد رکھے جائیں گے۔ بلکہ ہمیں کچھ بخشیش بھی دی جائے گی۔

حضرات! ایک دیانتدار مسلمان کا یقین واثق ہے کہ کانگریس محض ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگریس کے مختار کار یا ہائی کمان کا صرف ایک مدعا ہے یعنی ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا اور مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو اپنا پورا پورا محکوم بنانا۔ اب غیر کانگریسی ہندوؤں کی سنیئے۔ ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کہتے ہیں کہ مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں اس لئے ان سے وہی سلوک کرنا چاہیئے (جو ہٹلر نے یہودیوں سے کیا) اور کانگریس کی قومیت ایک فاسد قومیت ہے۔ جس کے متعلق اگر وہ بہانہ سازی اور ظاہرداری ترک کر دے تو اپنے حلقہ میں دوسرے فرقوں کے

کتنے ہی "نمائشی لونڈے" نہ رکھے۔

حضرات! کانگرس آزادی چاہتی ہے اور اس کے لئے برطانوی حکومت سے اعلان آزادی طلب کرتی ہے۔ کیا تاریخ میں کسی مُلک یا قوم کی مثال ملتی ہے جس نے ایک غیر حکومت کے اعلان کے ذریعہ آزادی حاصل کی ہو؟ نہیں، آزادی ملتی ہے اس صورت میں جبکہ اس کے لئے صفات پیدا کر لی جائیں۔ طالبان آزادی کا کام صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اسے غیر کے ہاتھوں سے چھین لیں اور یوں اس پر قبضہ پائیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کانگرس ہندوستان کی حکومت تو چاہتی ہے مگر برطانوی تلواروں کے زیر سایہ۔ کانگرس حاکمانہ اختیار کی طلبگار ہے مگر دوسرے فرقوں پر جبر کرنے کے لئے آج کل کانگرس خود برطانوی حکومت کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنے اختیارات اس کے حوالے کر دے۔ کانگرس طرح طرح کے حیلوں سے حکومت کو خوفزدہ کرنا چاہتی ہے اور اس طریق سے مطلب براری کے درپے ہے۔ حکومت اس دھوکہ سے آگاہ ہے۔ ہم بھی باخبر ہیں۔ مگر حکومت کو یہ حوصلہ نہیں۔ کہ مسلمانوں کو کانگرس یا ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ دے اگر وہ ایسا کرے گی تو بُری طرح پچھتائے گی۔

حضرات! ہم مسلمان موجودہ حالات میں کیا چاہتے ہیں؟ ہمنے گزشتہ پچیس برس میں ایک عزت مندانہ تصفیہ کیلئے دیانتدارانہ کوششیں کیں اور بار بار کیں۔ مگر ہندو لیڈروں اور کانگرس کی اپنی تسلیم کردہ تمنا کے باوجود تصفیہ نہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگرس کے تعمیری لائحہ عمل کا ایک اہم ترین جزو مسلمانوں اور ہندوؤں کا اتحاد

ہے مگر اسکے بجائے یہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہی جارہے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ ہندوؤں اور کانگرس کو صرف ایسا تصفیہ منظور ہے جس سے وہ سارے ہندوستان پر فوقیت حاصل کرلیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کو آزادی میں اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصّہ دیا جائے۔

مگر ہمارا یہ مطالبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے نقطہ ہائے نگاہ میں ایک بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانویوں سے ایک مشترکہ اور ذمہ دار حکومت لے لینے میں ہم دونوں ناکام رہے ہیں۔ اندریں عرصہ ہمیں کانگرسی حکومت کا ایک ہیبت ناک تجربہ ہوا اس تصفیہ کی شعل پر خاک پڑ گئی۔ جو کانگرس کو منظور ہے۔ اگرچہ ہم اس تجربہ کو فراموش تو کبھی نہیں کر سکتے مگر معاف کردینا بھی دیر طلب ہے۔
بہرحال ہم اب اپنے ہندو بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ہم سب گزشتہ پچیس سال کے تجربات اور اسباق کی روشنی میں تصورات تصفیہ پر عملی تدبر اور دیانتداری کے ساتھ نظر ثانی کریں۔ ہندوؤں کو لازم ہے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا ترک کردیں اور ہندوستان کو تقسیم کرکے ہندوؤں کا وطن اور مسلمانوں کا وطن علیحدہ علیحدہ بنائیں۔ آج ہم مسلمان ارض ہند کا صرف ایک چوتھائی حصہ لینے اور باقی تین چوتھائی ہندوؤں کے لئے چھوڑ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر وہ اسی طرح سودا بازی کرتے رہے تو ممکن ہے کہ تین چوتھائی ان کے ہاتھ نہ آئے۔ ہماری منزل مقصود تو پاکستان ہے۔ مسلمانان ہند اس کے حصول کے لئے زندہ رہیں گے اور

اگر ضرورت ہوئی تو اسی کوشش میں مر جائیں گے۔ ہاں یہ محل سودا بازی کا نہیں ہے۔

حضرات! میں آپ سے جو شبان اسلام ہیں اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے کو تیار کیجئے اور اس بات کے قابل بنائیے کہ ہم اسلامیان ہند اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ہماری سب امیدوں کے برآنے کا انحصار مسلم قوم کے نوجوانوں پر ہے۔

موجودہ صورت حالات کے پیش نظر مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ حال میں برطانوی حکومت کی طرف سے بعض اشخاص مجاز نے آواز بلند کی کہ قول و قرار اور سمجھوتہ کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی صدائے بازگشت بھی یہی ہے۔ ہم بھی برطانوی حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کے خواہشمند ہیں۔ چنانچہ اس سارے معاملہ کے ضمن میں میں نے ان اختلافات کی تشریح کر دی ہے جو ایک طرف مسلمانوں اور برطانوی حکومت کے درمیان ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں اور کانگرس کے مابین۔

قائدِ اعظم

کی معرکۃ الآرا تقریر جو آپ نے مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس میں
۱۹ ر نومبر سنہ ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی۔

مسٹر ڈپٹی پریذیڈنٹ! میں احساس غم کے ساتھ اس بحث میں حصّہ لیتا ہوں۔ میری رائے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ جوکھوں کی گھڑی ہے اور سنجیدہ غور و فکر کا وقت۔ ہم نے پچھلے چند دنوں میں مختلف تقریریں سُنی ہیں۔ ان میں جواب مضمون۔ پند و موعظت۔ لیکچر، بعض اخلاقی و مذہبی سبھی شامل تھے۔ مگر میں ایک معمولی انسان ہوں اور وہ فصاحت و بلاغت پیش نہیں کر سکتا جس سے اس ایوان کی ضیافت طبع ہو چکی ہے۔ میں اپنی بحث کو محدود کروں گا۔ اور سیدھے سادھے طریق سے محض سیاسیات اور قانون سازی سے مطلب رکھونگا۔ میرے تصور کے مطابق یہ ساری صورت حالات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے یعنی ماضی، حال اور مستقبل،

جناب والا! کیا اس امر سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ گزشتہ واقعات دہرائے جائیں۔ اور تلخ بہتان اور الزام اور لڑائی جھگڑے کی

یاد تازہ کی جائے؟ کیا یہ موزوں وقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں، بُرا بھلا ٹھہرائیں اور یُوں پکاریں کہ "یہ ہیں تمہاری بداعمالیاں"۔ پھر فریق مخالف کہے کہ "نہیں یہ ہیں تمہاری بداخلاقیاں"۔ اس طرح تلخیوں میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح وہ مسئلہ جو پہلے ہی بیحد پیچیدہ اور مشکل ہے مشکل تر ہو جائیگا۔ اور اس مقام سے دور ہی دور ہٹتا چلا جائیگا۔ جہاں کہ اس کا حل حاصل کر لینا ممکن ہے۔ الغرض میں پچھلی باتوں میں نہیں پڑتا۔ ہم ان کا مطلب خوب سمجھتے ہیں اور ان سے آگاہ ہیں۔

جناب والا! میں اب اختصار سے کام لوں گا۔ یہ کہا گیا ہے کہ معاملہ زیر بحث میں حکومت کے خلاف ہماری سب سے بڑی شکایات اور اپنی رائے کی تائید میں یہ دلیل ہے کہ اُس نے ہندوستانی افواج کو ملک سے باہر بھیجنے کے فیصلے میں ہم سے مشورہ نہ کیا۔ جناب والا! ہم جانتے ہیں کہ ایک عجیب سا دستور قائم ہو چکا ہے۔ حکومت اپنے فیصلے سے ہمیں مطلع کر دیتی ہے اگر ہم ایسی اطلاع کو مشورہ قرار دیں تو بلاشبہ یہ ایک غیر رسمی یا بیقاعدہ مشورہ ہوگا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ملک معظم کی حکومت نے افواج ہند کو فلاں جگہ بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ اسے مشورہ قرار دیں تو آپ کی مرضی۔ مجھے شکایت نہیں۔ بہرحال حکومت زبان حال سے کہتی ہے کہ "آپ لوگ چاہیں تو یُوں کہیں۔ ہم اس بات سے کوئی سروکار رکھنے کے لئے تیار نہیں"۔

جناب والا! یہ چیز ماضی سے متعلق ہے۔ ہم اسے بدل نہیں سکتے۔ کیا ہم اس وقت یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ہم ابھی، اسی دم آئین ہند پر نظر ثانی

کرتے ہیں بلکہ از سر نو مرتب کرتے ہیں؟ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دستور مذکور اس آئین کا اہم عنصر ہے۔ جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کے اعلان کے وقت بھی حکومت نے ہم سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق بڑے آئینی اور قانونی مباحثات ہو چکے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ یہ فریق سچا ہے یا وہ فریق غلطی پر ہے مگر یقیناً ہم سب اور معزز دوست سر راما سوامی مدالیار جانتے ہیں کہ ہماری حکومت ہند کی حالت برطانوی سلطنت کی دیگر مملکتوں سے قطعاً مختلف ہے جن کو قانون ویسٹ منسٹر کی رو سے کامل آزادی حاصل ہے۔ ہم مسٹر گرفتھس کی طرح ظاہر داری اور بناوٹ سے کیوں کام لیں۔ میری رائے میں ان کا یہ بیان دانائی سے بعید تھا کہ جب کانگریس کے ممبر اس ایوان میں حاضر نہیں ہوتے تو وہ ملک کا نمائندہ نہیں رہتا۔ غور کیجیئے اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ باقی ممبران کا کسی گنتی میں شمار نہیں۔

مسٹر گرفتھس۔ میرا مطلب یہ تھا کہ کل کی نمائندگی ایک جزو نہیں کر سکتا۔

مسٹر جناح۔ درست! اگر ایک بڑا حصہ موجود نہ ہو تو حالت یہی ہوتی ہے مگر اس حقیقت سے اس رائے کا جواز نہیں ملتا کہ حکومت نے ایوان کی غیر نمائندگی کی حالت کے سبب ہم سے مشورہ نہ کیا۔ مگر پھر بھی پوچھتا ہوں کہ کیوں نہ کیا؟ سنیئے اصل وجہ یہ ہے کہ حکومت ہند کو اور اس ایوان کو بھی یہ کہنے کا اختیار حاصل نہیں کہ "ہم ہندوستان کو جنگ میں شامل نہیں کرتے اور اسے ایک متخاصم فریق نہیں بناتے"۔ سنیئے یہ بات

بُری ہو تو ہو مگر آئینی، قانونی اور عملی حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان ایک مملکت محروسہ ہے اور برطانیہ کے قبضہ میں، اس سے راہ فرار ممکن ہی نہیں۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ خود جناب وائسرائے یا نمائندہ تاج برطانیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس مجلس قانون ساز سے مشورہ کریں اور مزید برآں جنگ میں شامل ہونے کے متعلق ہمارے فیصلہ پر عمل پیرا ہوں؟ پھر بہانہ سازی کیوں؟ غلط رہنمائی کس لئے؟ بہر صورت جنگ میں ہندوستان کا اعلان ہو چکا ہے اور یہ واقعہ گزشتہ تاریخ سے متعلق ہے میں پچھلے واقعات پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت بلالحاظ اس بات کے کہ ہندوستان کو پسند ہے یا ناپسند، وہ رضامند ہے یا نارضامند، جنگ کا اعلان اور شمولیت ہند کا اعلان کر چکی ہے۔ یہ ہے صورت حالات جس سے ہم دوچار ہیں۔ آنریبل اراکین اسے پیش نظر رکھیں۔ اچھا تو اب کیا کیا جائے؟

جناب والا! مجھے افسوس ہے کہ اس جانب سے اور اس طرف سے ایسی دلیلیں دی جا رہی ہیں جن کو واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں تو کیا کیا جائے؟ اگر حکومت مجھے خوفزدہ کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرے کہ انگلستان کی شکست کی صورت میں تمہاری بھی خیر نہیں تو میں جواب دُونگا کہ میں انگلستان کی شکست نہیں چاہتا۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس صورت میں انگلستان کو زیادہ اور مجھے کم نقصان پہنچے گا۔ انگلستان اپنی آزادی کھو بیٹھے گا اور نہ صرف اسے نازی پامال کریں گے بلکہ اس کے پاس کچھ

باقی نہ بچے گا۔ پس مَیں حکومت کو کہتا ہُوں کہ "مجھ سے بڑھ کر تم خطرے میں ہو" لیکن جناب والا! اس کہنے سننے سے ہمیں حاصل کیا ہوگا۔ کچھ نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند ہمارے ملک کے نادانوں، بےخبروں کو پراپاگنڈہ کی غرض سے یہ کہے کہ "اگر انگلستان کو شکست ہُوئی تو تمہاری آزادی یا تمنائے آزادی اور ذمہ دارانہ حکومت کے حصول کی خواہش یہاں تک کہ تمہارے مذاہب، گرجا۔ مندر۔ مسجدیں سب فناہ ہوجائیں گے" اگر ہم اسے درست بھی تسلیم کرلیں تو اس سے حکومت کو کیا فائدہ ہوگا۔ مَیں اس کے جواب میں پھر بھی یہ کہہ سکونگا کہ ہندوستان سے بڑھکر انگلستان خطرے میں ہے۔

جناب والا! حکومت کے رفقار ایک خاص دلیل مسلمانوں کے غور کے لئے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اسلامی ممالک خطرے میں ہیں"۔ ہاں بیشک ہمیں اس سے کسی کو انکار نہیں مگر حکومت کو لازم ہے کہ ذمہ دارانہ طریق سے سوچے۔ ان دلائل اور اس پراپاگنڈہ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پروپیگنڈا بہت کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن بعض کام ایسے ہیں کہ لوگوں کو محض خوفزدہ کرنے سے سرانجام نہیں ہو سکتے۔ جناب والا! میں حکومت ہند کی جنگی کوششوں اور سارے ہندوستان سے متحدہ طور پر امداد مانگنے کے ضمن میں مسلم لیگ کی نسبت کہہ سکتا ہُوں اور بلاخوف تردید کہتا ہُوں۔ عین آغاز جنگ سے اس وقت تک ہم نے حکومت کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہیں کی نہ اسے تنگ کرکے کشمکش و پیچ میں ڈالا ہے۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء سے آج ۲۹ دسمبر سال رواں تک ایک برس کی مدت میں ہم نے اس قول وقرار اوران مذاکرات کی راہ میں کوئی

رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ جو حکومت مختلف پارٹیوں سے بدیں غرض کر رہی ہے کہ جملہ جماعات، طبقات اور سارے فرقے متحد ہو کر ہماری انتہائی مدد کریں۔ مَیں اس سلسلے میں اس ایوان کے سامنے بڑے بڑے واقعات کا ذکر جلد جلد کئے دیتا ہُوں۔

جب جناب وائسرائے بہ حیثیت نمائندہ تاج برطانیہ اس ملک کے بہت سرکردہ لیڈروں کے ساتھ ملاقات کر چکے ہیں تو یکایک مجھے اور مسٹر گاندھی اور اس وقت کے صدر کانگریس بابو راجندرا پرشاد کو بلایا۔ یہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم کیوں بلائے گئے۔ بہر حال وائسرائے نے ایک تجویز پیش کی۔ آپ سب اس سے آگاہ ہیں۔ مگر مَیں اس کی تشریح کرتا ہُوں۔ وائسرائے نے کہا کہ صوبائی حکومتوں کے متعلق اگر دونوں بڑی بڑی پارٹیاں یعنی مسلم لیگ اور کانگریس آپس میں کوئی قرار داد کر لیں تو مَیں اپنی مرکزی مجلس منتظمہ کی توسیع کے لئے تیار ہُوں۔ قانون نے اس کے ممبروں کی تعداد محدُود نہیں کی۔ اس توسیع کے معاملہ میں دونو پارٹیوں کی خواہشات جہاں تک مجھ سے ممکن ہے زیادہ سے زیادہ پُوری کی جائیں گی۔" اس کا نتیجہ کیا ہُوا؟ مجھے اُمید ہے کہ آنریبل ممبروں کو میرا یہ بیان سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہوگی کہ جب ہم نے وائسرائے کی پیشکش کے جواب میں اپنے اپنے مطالبات پیش کئے تو ہمارا یہ خیال نہ تھا کہ وہ سب کچھ دیدیا جائے جو کانگریس مانگ رہی ہے یا جس کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو جواب وائسرائے نے دیا ہم دونوں پارٹیوں نے اپنی اپنی جگہ غیر

تسلی بخش ہی قرار دیا۔ بہر حال اصل نکتہ یہ ہے کہ مَیں نے عین ملاقات کے وقت اپنی ذمہ داری پر کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان وائسرائے کی تجویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر مسٹر گاندھی نے فی الفور یہ کہا کہ ہمیں تجاویز قطعاً منظور نہیں اور ہم ان پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ غرض کچھ وقت کے لئے یہ بحث یہیں ختم ہوئی۔ اس کے بعد فروری میں یہ بات پھر چھیڑی گئی۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ کیا حالات پیش آئے سوائے ان کے جن کا ذکر مَیں نے اخبارات میں پڑھا۔ بہر صورت جناب وائسرائے نے اپنی اورینٹ کلب کی تقریر میں مسٹر گاندھی کو اشارہ کیا کہ ایک عزت مندانہ قول و قرار کا بیج ابھی تک موجود ہے۔ اس پر ایک اور کوشش فروری میں کی گئی مگر نتیجہ اس کا بھی وُہی ہوُا۔ اور پھر فروری کے بعد جو کچھ ہوُا مجھے اس کی خبر نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کے ایما سے حکومت ہند نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ اصل بات تو یہی ہے کہ نمائندہ تاج برطانیہ کا فرض برطانوی حکومت کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس! جب صورت حالات یہ ہو تو مسلم لیگ کو مطعُون کرنا کیا معنی؟ بہت سے اہل الرائے جن میں اس ایوان کے بعض ممبر شامل ہیں کہتے ہیں کہ "جہنم میں جائیں دونوں پارٹیاں" مگر یہ تو مسلم لیگ کے حق میں ناانصافی ٹھیری۔ بات بگاڑی مسلم لیگ نے نہیں، بلکہ کانگرس نے۔ اس معاملہ میں کانگرس اور مسلم لیگ، دونوں کو یکجا کرنا ان لوگوں کی سخت نادانی کا ثبوُت ہے۔ ہاں تو فروری کے بعد لیگ نے یہ دیکھ کر کہ سب سو گئے ہیں۔ سوچا کہ ہندوستان کے اغراض و مفاد کے پیش نظر ہر ہندوستانی پر ایک فرض

عاید ہوتا ہے یعنی دفاعِ ہند کو قوی سے قوی تر بنانا اور اس طرح اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت اور سلامتی کا بندوبست کرنا۔ چنانچہ غالباً جون میں لیگ نے ایک قرارداد منظور کی۔ مَیں اس کا ایک پیراگراف سنا کر اس کے رجحان پر روشنی ڈالتا ہُوں۔ سنیئے!

"دُنیا کی موجُودہ پُراندلیشہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر ہندوستانی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سخت سے سخت کوشش کرے اور مجلس عاملہ حکومتِ ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنے والے ہر ایک واقعہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ملک کو ایک منظم طریق سے تیار کرے یہ کمیٹی مجبور ہو کر کہتی ہے کہ دفاعِ ہند کی وہ تجاویز جو جناب وائسرائے اور جناب کمانڈر انچیف (سپہ سالار) اور بعض صُوبائی گورنروں نے اپنے بیانات میں درج کی ہیں۔ موجودہ حالت کی لازم و لابد ضرورتوں سے نپٹنے کے لئے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس لئے یہ کمیٹی اپنے صدر کو اس امر کے لئے اپنا مجاز اور مختار بناتی ہے کہ وہ جناب وائسرائے کے ساتھ مذاکرات اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ ہو کہ جنگی کوششوں کو قوی سے قوی تر بنانے کے لئے اور دفاعِ ہند کے لئے ملک کے ان تمام وسائل کے امکانات کی تحقیقات کی جائے جن سے ہماری قوتیں یکجا ہو جائیں اور حصُول مدّعا کے لئے فوری اور پُراثر طریق اختیار کئے جا سکیں۔ کمیٹی کی یہ رائے بھی ہے کہ ہم کل ہند کو کامل باہمی تعاون کی بنیاد ٹھہرائیں۔ نہ کہ مختلف صوبے اپنی اپنی جگہ الگ الگ کوشش کریں اور اس طرح حکومت اور مسلم لیگ نیز دوسری پارٹیاں جو رضامند ہو سکیں مل کر میدانِ عمل میں آئیں اور موجودہ فوری

خطرہ کے پیش نظر حفاظت ملک کی ذمہ داری قبول کریں۔ اگر یہ طریق کار اختیار نہ کیا جائے گا تو ہم اپنے اصل مقصد کے لئے نہ پوری کوشش کر سکینگے اور نہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔"

جناب والا! یہ ۱۷ر جون کا واقعہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان کا ایک اثر ہوا اگرچہ مجھے اس بات کا پورا علم نہیں۔ مگر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ صدر مقام میں ہماری اس قرارداد کے پہنچتے ہی ایک بار پھر باہمی سمجھوتہ کی تحریک شروع ہو گئی۔ مگر بدقسمتی سے نتیجہ اس مرتبہ بھی یہی ہوا کہ کانگریس اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس وقت بھی اس کی حالت وہی ہے۔ رہی مسلم لیگ۔ ہماری حالت کا اظہار ہماری قرارداد سے ہوتا ہے۔ جنگی کوششوں کے لئے تعاون کے معاملہ میں ہم کانگریس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں۔ اس کا جواب میں آگے چل کر دوں گا۔

جناب والا! مسٹر جیمز کی تقریر نہایت شاندار تھی۔ وہ اور مسلم لیگ کے تعاون کے متعلق ہم خیال ہیں۔ ہم نے اصول تعاون منظور کر لیا ہے اور انہوں نے اس کی نسبت بجا طور پر کہا ہے کہ "حکومت ہند اور رضامند پارٹیوں کے باہمی تعاون کے معنی یہ ہیں کہ مرکزی حکومت میں اور اسی طرح صوبائی حکومتوں میں ان پارٹیوں کو اختیار حاصل ہوں۔" اس کے بعد مسٹر جیمز ہمیں کہتے ہیں کہ "اپنی حالت کی وضاحت کرو۔" میں جواب دیتا ہوں کہ خود ان کی رائے کے مطابق جیسا کہ ان کی تقریر سے واضح ہوتا ہے مسلم لیگ نے ملک معظم کی حکومت کے اس بیان کو اصولاً منظور اور

تسلیم کر لیا ہے کہ "ہم بعض تحفظات کے ماتحت ہندوستان کے سرکردہ لوگوں کو حکومت میں اختیارات دینے کے لئے تیار ہیں۔" اس کے باوجود مسٹر جیمز ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی منظوری قطعی ہے؟ اور پھر خود کہتے ہیں کہ جب آپ نے اصول مان لیا تو کیا اسے محض تفصیلوں کی عدم قبولیت کے سبب رد کر دیں گے؟"

جناب والا! ہم نے اصول بیشک تسلیم کر لیا ہے۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تفصیلات کے طے کرنے میں خود اصول تلف ہو جائے یا عمل میں لانے کے دوران میں اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ جائے یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ "اصول" اور تفصیلات عملی میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اصول کو حماقت کے درجے تک گرا سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر میں آپ کو مثال دے کر اپنے منشا سے آگاہ کرتا ہوں۔ سنئیے!

مجھے آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ آپ خطرے میں ہیں اور میں بھی۔ میں اپنے تمام ذرائع ایک مشترکہ وسیلے میں شامل کرنے پر رضامند ہوں۔ چنانچہ میں کہتا ہوں کہ میں تیار ہوں۔ آئیے ہم دونوں مل کر اس مصیبت کا اس خطرے کا مقابلہ کریں۔ پھر ڈوب جائیں تو اکٹھے۔ تیریں تو دونوں۔ یہاں تک معاملہ صاف ہے۔ مگر یہ بھی تو بتائیے کہ مجھے ان سب ذرائع کے استعمال میں جن کو میں نے مشترکہ وسائل میں شامل کیا ہے کوئی اختیار حاصل ہوگا؟ رہے وہ فوائد جو فتح سے حاصل ہوں گے ان کی نسبت میں فی الحال کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھے اس مشترکہ کوشش میں

کوئی اختیار ہوگا؟ میری رائے کو کوئی وزن دیا جائے گا؟ اس پر آپ مجھے جواب دیتے ہیں کہ "نہیں نہیں تمہارا کام ہم خود ہی کریں گے"۔ اب میں ضد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ "نہیں صاحب میں تو ضرور اپنا مناسب حصّہ لینا اور رائے دینا چاہتا ہوں"۔ آپ کہتے ہیں کہ "بہت خوب! تمہاری رائے لی جائے گی۔ تم ہمارے حصہ دار ہو گے"۔ میں پوچھتا ہوں۔ "میرا حصہ کیا ہوگا؟" آپ جواب دیتے ہیں کہ "ہم تمہارے نمائندوں کو دو عہدے عطا کریں گے"۔ میں سوال کرتا ہوں کہ مختاران کار کی کل تعداد کیا ہو گی؟ آپ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ "ہم نہیں بتا سکتے"۔ میں ایک سوال کرتا ہوں کہ "کاروبار حکومت کون کون سے حصّوں سے منقسم کیا جائے گا؟" آپ کا جواب یہی ہوتا ہے کہ "ہم نہیں بتا سکتے"۔ میری رائے میں آپ کی ان باتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا حصہ دار بنائیں گے مگر روپے میں سے فقط ایک پائی دیں گے۔ میں انجام کار کہتا ہوں کہ جب آپ کا یہ خیال ہے تو آپ میری نام نہاد شراکت کیوں طلب کرتے ہیں؟ چنانچہ میں مسٹر جیمز سے پوچھتا ہوں کہ "آپ جو ایک کارداں سوداگر ہیں کیا آپ اسے کہیں گے بیوپار، اسے کہیں گے کاروبار؟"

جناب والا مسٹر جیمز نے یہ بھی کہا ہے کہ "مسلم لیگ نے جنگ کی جد وجہد کے متعلق اپنا خیال اور طریق عمل واضح کر دیا ہے"۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے یہ بات تو تسلیم کر لی۔ اس کے بعد مسٹر جیمز میری ایک تقریر کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ "مسٹر جناح نے اپنی عیدگی تقریر میں بیان کیا ہے کہ

برطانوی حکومت کی بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کے مفاد کی خاطر حکومت کو امداد دیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں۔" مگر میں نے لفظ "فرض" استعمال نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ مسلمان دیانتداری کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ سے تعاون کرنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکیں :

جناب والا! میں ان باتوں سے ایوان کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ مگر یہ کہنا لازم ہے کہ جس طرح فرض کا لفظ کہنے میں مسٹر جیمز نے غلطی کی۔ اسی طرح میری ساری تقریر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک اور بھی غلطی کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی "فرض" کو زیرِ نظر رکھ کر یہ بھی کہا ہے" ہندوستان اس امر کا منتظر ہے کہ دیکھیں مسٹر جناح مسلمانوں کو اس فرض کی ادائیگی اور حکومت کے ساتھ عملی تعاون کے متعلق مزید کیا کہتے ہیں اور اس کی طرف اپنی آئندہ تقریر میں جو فنانس بل (مسودہ قانون مالیات یا تجاویز مالیات) پر ہو گی کیا اشارہ کرتے ہیں۔" جناب والا! مسٹر جیمز کو واجب نہ تھا کہ یہ بات کہتے۔ میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ اور مسلمانوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ کو چاہیئے کہ حکومت کو مخاطب کریں اور اسی سے پوچھیں کہ جب مسلم لیگ تعاون کا اصول تسلیم کر چکی ہے تو حکومت کے مختاران کار اسے جامہ عمل پہنانے کے لئے کیا کرنے کو تیار ہیں اور کیا کریں گے؟

میں نے عید کی تقریر میں کہا تھا کہ "ہم مسلمان دیانتداری کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی گزشتہ بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں ہمیں

اس کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ تعاون لازم ہے کیونکہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ نیز یہ کہ ہندوستان کے ساحلوں تک جنگ آن پہنچے تو ہمیں اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن تیاری کرنی چاہیئے۔ مسلم لیگ روز اوّل سے یہ حقیقت واضح کرتی چلی آئی ہے کہ ہم اپنے آدمی، خون، روپیہ سب کچھ دینے پر رضامند ہیں۔ مگر برطانوی حکومت کی یہ حالت ہے کہ اب ہمارا تعاون بمعہ اختیارات حاکمانہ نہیں چاہتی اور پھر اختیارات میں ہماری شرکت کے متعلق حکومت برطانیہ کی پیشکش صرف نام کی اور دکھاوے کی پیشکش ہے۔ یہ ہے مشکل جو ہماری راہ میں حائل ہے اور جس کے سبب ہم اسلامیان ہند کو راغب و آمادہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ حکم تو مانتے سے رہے کہ جنگ کی جدوجہد میں کامل امداد کریں۔

جناب والا! حکومت شاید اس وجہ سے ہمارے ساتھ مناسب طریق اختیار نہیں کرتی کہ وہ کانگرس سے ڈرتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت ہم پر اعتبار نہیں کرتی اور جیسا کہ ایوان کے لیڈر نے کہا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ انگلستان کو ہندوستان پر پورا قابو حاصل ہے، اور اس لئے ہم حکومت ہند کی جنگی کوششوں میں نہ تو کچھ مدد دے سکتے ہیں نہ ان میں رکاوٹ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لئے مدد مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مگر یہ سب میرے قیاسات ہیں اور صرف خدا کو خبر ہے کہ ہمارے ساتھ تسلی بخش طریق سے پیش نہ آنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

جناب والا! ہم نے اپنی حالت بتا دی۔ اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ جنگی اخراجات کی منظوری کے لئے رائے دیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ جب تک جاری رہے گی اور حکومت بہت رجنگی کوششیں کرے گی روپے کے بغیر کام نہ چلے گا۔ ہم شکر گزار ہیں کہ مطالبہ صرف چھ کروڑ روپیہ کا ہے مگر ہم اس مالی مسودہ قانون کی موزونیت کی تحقیقات نہیں کر سکے۔ ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ حکومت یہ روپیہ کس طرح خرچ کرے گی اور اخراجات کے لئے کون سے وعدے کئے جا چکے ہیں۔ اس میں ہماری آواز یا رائے یا حصے یا اختیار وغیرہ کو کوئی دخل نہیں۔ ہم نہیں پوچھ سکتے کہ حکومت کیا کر چکی ہے یا کرے گی۔ ہمیں محکمہ فوج اور ساز و سامان مہیا کرنے والے اور دوسرے محکموں کے متعلق متعدد شکایات ہیں کہ ان میں کیا ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بے بنیاد ہوں یا سچی ہوں۔ بہر حال شبہ اور بے اعتباری موجود ہے اور لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ حکومت پس پردہ کیا کر رہی ہے۔

جناب والا! میں پوچھتا ہوں کہ ایسے نازک اور فیصلہ کن وقت میں یہی حکومت سچے دل سے اور سنجیدگی کے ساتھ ہمارے تعاون اور ہماری مدد کی طلبگار ہے؟ اگر واقعی ہے تو اسکی بنیاد باہمی احترام پر رکھے۔ اگر مسٹر ایمری وزیر ہند کے اقوال کے مطابق یہ بات صحیح ہے کہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصل مقصد سیاسی ادارت ہند کے نمائندوں کی شمولیت ہے تو بہت خوب! اس سے پبلک کا بھروسہ بحال ہو جائے گا۔ اور یہی نمائندگان اس ایوان میں اور اس کے باہر بھی لوگوں کو آزادی کے ساتھ بتا سکیں گے کہ واقعات کی رفتار کیا ہے

مگر موجودہ صورت میں حکومت اور اس کے انتظامات کی نسبت لوگ قطعاً بے خبر ہیں۔

جناب والا! مسٹر ایمری کہتے ہیں "وائسرائے ہند کی پیشکش رہنمایان ہند کے لئے یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ حکومت ہند میں اہم اور پر اسرار حصہ لیں اور کوئی ناگوار پابندی اختیار کئے بغیر جنگ کی جدوجہد میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کو پورا کام میں لائیں۔ اگر وہ اس پیشکش کو قبول کرتے تو انہیں موجودہ یا آئندہ زمانے کے لئے سیاسی وعدہ نہ کرنا پڑتا۔ سوائے اس کے کہ ہم موجودہ ضرورت کے وقت ہندوستان کی سلامتی اور سود و بہبود کے لئے اور اس مشترکہ مدعا کے لئے جس کی راستی پر ہم سب یقین رکھتے ہیں مل کر کام کریں گے۔"

جناب والا! عین یہی رائے مسلم لیگ کی ہے۔ کیا آپ ہم سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم ایسے روپے کی بہم رسانی کی منظوری دیں جسکے خرچ میں ہماری آواز، رائے، مشورے، حصے یا اختیار کو کوئی دخل نہیں؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح حامیان حکومت محض جذبات کو اپیل کرنے کے لئے تقریر کر سکتے ہیں اور زبان نصیحت کھول سکتے ہیں۔ میں اراکین حکومت کو اور یورپین ممبروں کی پارٹی کو کہتا ہوں کہ آپ کیوں باہمی مشورہ کر کے حکومت، مختاران کار اور افسران مجاز کو کچھ عقل نہیں سکھاتے۔ میرے معزز دوست سر ہنری گڈنی نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مجھ سے اپیل کی ہے۔ انہوں نے مجھے ایک برقی پیغام بھیج کر یہ یقین دلایا تھا کہ حکومت کے ساتھ اس سیاسی معرکہ میں آخری خندق تک میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ انھوں نے اب پھر یہی

کہا ہے مگر اپنی تقریر سے تو انہوں نے مجھے ابھی سے آخری خندق تک پہنچا دیا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آئیے اور پہلی خندق میں قدم رکھیے اور مجھ سے اپیل کرنے کی بجائے مختاران حکومت کا مقابلہ کیجئے۔

سر ہنری گڈنی:۔ میں ان کا مقابلہ کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح:۔ نہیں آپ نے نہیں کیا۔ آپ انہیں صاف کہیے۔

سر ہنری گڈنی:۔ میں کہہ چکا ہوں۔

مسٹر جناح:۔ اس ایوان میں کھڑے ہو کر کیوں نہیں کہتے؟

سر ہنری گڈنی۔ میں یہ بھی کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح:۔ نہیں آپ نے نہیں کیا۔ میں اول سے آخر تک آپ کی تقریر کے دوران میں یہاں موجود تھا۔

جناب والا! کمزور پارٹی کو لیکچر پلانا فیشن میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ طاقتور یہ توفیق رکھتا ہے۔ میں مسٹر جیمز کو بتا چکا ہوں اور ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ ہماری قرارداد نے وہ خاص پیشکش جس کا مقصد مدد لینا اور اختیار الت نہ دینا تھا مسترد کی تھی۔ ورنہ مسلم لیگ مذاکرات کے لئے اب بھی حاضر ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ امر واقعی ممکن نہیں کہ ایسے اخراجات کی منظوری کے لئے رائے دیں جن میں ہماری مرضی، حصے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ حامیان حکومت ایک اور بھی دلیل پیش کرتے ہیں (میرے نزدیک باقی سب دلائل مثلاً ہندوستان خطرے میں ہے وغیرہ بمعنی اور لچر ہیں) وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بل، یہ مطالبہ نامنظور کیا گیا (اور ظاہر ہے کہ کانگریس اس کو شکست دینے کا عزم بالجزم کر چکی ہے)

تو اس کا اثر بیرونی ممالک کی حکومتوں پر کیا ہو گا؟ ہاں بہت برا ہو گا۔ مگر جن لوگوں نے مطالبہ نامنظور کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنی کامیابی کا انتظام بھی بڑی باریک بینی اور خوبی کے ساتھ کر رکھا ہے جیسے ریاضی کے کسی مسئلے کو حل کریں، مگر جناب والا میرا کیا قصور ہے۔ یہ قصور ہے اس آئین کا جسے خود برطانوی حکومت نے مرتب کیا اور جس پر حکومت ہند بے سمجھ پرانی لکیر کی فقیر حکومت بیس تیس سال سے عمل پیرا ہے۔ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت طلب کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ چھڑی اور دو دو نہیں ملا کر تین۔ میں حکومت ہند کو کہوں گا کہ "شکست تو شکست آپکو تو فتح سے بھی کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اگر آپ چند آرا کی اکثریت سے یہ تجویز منظور بھی کرالیں۔ اگر مسلم لیگ آپ ہی کے حق میں رائے دے تو پھر بھی اس بات کا کیا علاج کہ آپ کے مخالفوں نے بیرونی ممالک کو پہلے ہی آگاہ کر رکھا ہے کہ پبلک کے انتخاب کردہ نمائندوں کی اکثریت اس مطالبہ کے خلاف ہے۔ امریکہ یا جرمنی میں کوئی ایسا احمق ہے جو مروجہ آئین ہند کی ماہیت اور خصوصیتوں سے واقف نہیں؟ ایسا کوئی شخص ہے جو مضطرب اور مشوش ہو کر کہے گا کہ مالی مطالبہ کی نامنظوری کے سبب اور بیرونی ممالک پر اس کے برے اثر کی وجہ سے برطانیہ کو جنگ میں شکست ہو گی؟ میں بغرض دلیل فرض کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی مخالفانہ رائے آپ کے لئے باعث تشویش ہو گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہو گا آپ محض مبالغہ کرتے ہیں اور ہماری مخالفت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اچھا یوں بھی سہی کہ واقعی آپ اس سے تنگ نہ ہونگے مگر آپ ہم سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کی تائید کریں۔

یاد رکھیئے۔ میری تسلی اس بات سے نہیں ہوئی کہ آپ نے گورنر جنرل کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصول تسلیم کر لیا ہے مگر میری تسلی زیر بحث نہیں۔ کسی شخص کو روپے میں سے سولہ آنے نہیں ملا کرتے۔ جب ہم سب خطرے میں ہیں تو کسی پارٹی کا غیر معمولی مطالبات کرنا دانائی نہیں۔ کیونکہ یہ ٹھیک نہیں۔ اسے کاروبار یا بیوپار نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے امداد دینے کی شرط یہ نہیں قرار دی کہ پاکستان کا مطالبہ منظور کیجیے پھر مدد لیجیے۔ حالانکہ یہ امر واقعہ ہے (چاہے اس کے متعلق میرے کانگرسی دوست کچھ ہی کیوں نہ کہیں) کہ ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لئے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے اور ہم اس کے لئے لڑ مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر ڈیسائی کے ذہن میں ہے ہلاک ہو چکی ہے ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں کم ہیں۔ مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگرس سے سو گنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بیخبر ہوں تو ہوں مگر میں بخوبی آگاہ ہوں میں نے یہ بات دھمکی کے لئے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لئے کہی۔ بہر حال آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس وقت بھی نہیں۔ یہ ہے مسلم لیگ کی موجودہ حالت جہاں تک کہ آپ کو (حکومت کو) دخل ہے۔ رہا آئندہ زمانہ جب وہ آئے گا اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے گا۔ دیکھا جائے گا۔

جناب والا! اب میں اپنے کانگرسی دوستوں کو مخاطب کر کے یوں عرض کرتا ہوں۔ آپ مجھ سے متفق ہوں یا نہ ہوں مگر بقول ڈیسائی ہمیں واقعات

اور حقائق کا سامنا کرنا چاہیئے۔ صورت حالات مختصراً یہ ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں کانگرس کی مجلس عاملہ کی وہ قرارداد پڑھ کر سنائی جو بتاریخ دس ستمبر منظور کی گئی۔ اس کے بعد آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اس کے مطابق ایک قرارداد منظور کی۔ ان کی رُو سے کانگرس نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنی حکومت کا آئین خود مرتب کرے اس مطلب کے لئے ایک مجلس باشندگان بنائی جائے۔ جس کے جملہ اراکین کو تمام بالغ ہندوستانی خود اپنی رائے سے بطور نمائندگان انتخاب کریں مگر اقلیتوں کے لئے حق رائے دہندگی کی شرائط خاص ہوں نیز یہ کہ اس جدید آئین میں اقلیتوں کی تسلی اور تشفی کے مطابق ان کے لئے بعض تحفظات وضع کئے جائیں۔" جناب والا! وقت کی قلت کے باوجود میں اس ایوان کو اور اپنے کانگرسی دوستوں کو بتاتا ہوں کہ اہل کانگرس کے ذہن سے ابھی تک یہ خیال دور نہیں ہوا کہ محض کانگرس ہی ملک ہند اور قوم ہند باشندگان کی نمائندہ ہے اور ان کی طرف سے بات کرنے کی مجاز و مختار ہے اور مسلمان اور دوسرے سب اقلیتیں ہیں۔ میں اس ایوان کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ یہی وہ سبب ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کوئی سمجھوتہ نہیں ہونے دیا۔ کوئی مستقل قرارداد باہمی طے نہیں پائی۔ کانگرس کے لیڈر مجھے معاف کریں مگر مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ چاہے ان کا اپنا خیال کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر کانگرس دراصل ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگرسی اور دوسرے ہندو لیڈر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگرس کے حیطۂ نظر کے اندر اور ہندو راج کے زیر اثر آنا لازم ہے کیونکہ وہ اقلیت ہیں اور بس۔ البتہ مسلمان اس مطالبہ پر

زور دینے کا انصافانہ حق رکھتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کے تحفظات مرتب کئے جائیں۔

جناب والا! میں اس کے متعلق شرفائے کانگرس اور نیشنلسٹ پارٹی کے اراکین کی خدمت میں عرض کرونگا کہ مسلمانوں کے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال راسخ رہا ہے اور گزشتہ پچیس برس کے دوران میں اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا کہ وہ ایک علیحدہ ہستی ہیں۔ ایک جدا اور وحدانی وجود۔

مسٹر ایم۔ ایس۔ اینے۔ مگر ۱۹۲۰ء سے پہلے تو مسٹر جناح کی یہ رائے نہ تھی۔

مسٹر جناح۔ ۱۹۱۶ء سے ہے اس وقت سے جبکہ دو جدا جدا ہستیوں کی بنیادی اور لازمی اصول پر معاہدہ لکھنؤ مرتب اور منظور کیا گیا۔

مسٹر اینے۔ میں وہاں موجود تھا۔

مسٹر جناح۔ مشفق من! آپ وہاں ہونگے مگر اس وقت کسی نے آپ کا نام تک نہ سنا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہی خیال چلا آیا ہے اور دوسرا خیال ہندوؤں کا ہے۔ ان دونوں کی بنیادیں مختلف ہیں۔ میں ایک ثبوت پیش کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی پر کیوں اصرار کیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس وقت مولانا محمد علی کانگرس کے پرستار تھے مگر وہ مجبور ہو کر پکار اُٹھے کہ "مجھے (یعنی مسلمانوں کو) کراچی سے کلکتہ تک کا علاقہ درکار ہے"۔ یاد ہے آپ کو یہ بات؟ کانگرس نے اور ہندوؤں نے علیحدگی سندھ کی مخالفت جوش خروش کے ساتھ کیوں کی؟ بلاشبہ اس کی ظاہری وجوہات مختلف ہیں مگر اصلی

اسباب سے آپ آگاہ ہیں۔ دکھاوے کے لئے کبھی مالیات کا عذر، کبھی یہ بہانہ کبھی وہ حیلہ تراشا جاتا تھا اور مخالفین کہتے تھے کہ مالی لحاظ سے سندھ کا بمبئی میں شامل رہنا ہی بھلا۔ سندھ علیحدہ ہو گیا تو اسکے اپنے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

مسٹر لعل چند نول رائے۔ کیا اب سندھ کو اس بدقسمتی سے واسطہ نہیں؟ متوقع نقصان کیا نہیں ہو رہا؟

مسٹر جناح۔ میرے دوست سندھ کی بدقسمتی ہم سب کی بدقسمتی ہے اور اس وقت تو کوئی بھی خوش قسمت نہیں۔ میں صرف علامات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جن سے اہل ہنود اور اہل اسلام کے نقطہ ہائے کی وضاحت مقصود ہے۔ جن کے اختلاف کے سبب اس وقت تک مسلمان اور ہندو کوئی قرارداد باہمی طے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مسٹر ستیہ مورتی کا ایک قول پیش کرتا ہوں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند کے بیان کے بعد حال ہی میں یعنی مئی سال رواں میں مسٹر ستیہ مورتی نے بھی ایک بیان شائع کیا۔ یہ قول اس میں شامل ہے وہ یوں فرماتے ہیں۔ "مسٹر ایمری اپنی قابلیت، تدبّر اور صداقت دگر مجوشی کا صحیح ثبوت یوں دے سکتے ہیں کہ اس شدید اور کامل امتحان میں پورے اتریں یعنی مسلم لیگیوں کو صاف طور پر متنبہ کریں اور کہیں کہ پاکستان نہیں دیا جائیگا۔ جملہ فرقوں کی مشترکہ وزارتیں نہیں بنیں گی۔ بعید از امکان تحفظات کی امیدیں بیکار ہیں، تم مسلمانوں کو لازم ہے کہ اکثریت کے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لو۔ اگر مسٹر ایمری ایک بار یہ کہہ ڈالیں تو باقی سب کچھ آسان ہو جائے گا"۔

ایک آنریبل ممبر۔ یہ کس نے کہا؟

مسٹر جناح ۔ مسٹر ستیہ مورتی نے کہا ۔ اور مسٹر کہ وزارتوں اور تحفظات کے وجود میں لانے سے انکار کیا ۔ پھر اکثریت کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا اور مسلمانوں کو مجبور کرنے کا مطالبہ کیا ۔ میرے یہ شفیق چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم وکرم کے حوالے کیا جائے ۔

مسٹر الیس ستیہ مورتی ۔ نہیں نہیں میں نے یہ نہیں کہا تھا ۔

مسٹر جناح ۔ میرے مشفق! آپ کے شدید اور کامل امتحان کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ۔

مسٹر الیس ستیہ مورتی ۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا ۔

مسٹر جناح ۔ جناب والا! یہ ہے کانگرسی لیڈروں کی وہ ذہنیت جو ان کے ہر کام کی تہ میں ہمیشہ کارفرما ہوتی ہے ۔

مسٹر الیس ستیہ مورتی ۔ ہرگز ہرگز نہیں ۔

مسٹر جناح ۔ میرے کانگرسی دوستو! آپ شدید ترین غلطی کر رہے ہیں ۔ ایسی غلطی آپ نے کبھی نہیں کی ۔ مسٹر ایمری سے مسٹر الیس ستیہ مورتی کی فرمائش اور سفارش نے تو مجھے وزیر ہند سے بھی خوف زدہ کر دیا ۔ کیونکہ اہل کانگرس جا تو تیز کر رہے ہیں ۔ عدم تعاون تو کر ہی رہے تھے ۔ اب سول نافرمانی کا آغاز کرینگے ۔ میں کہونگا کہ اس سے حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے ہوش خطا ہونے لگے ہیں ۔ میں بھی خوفزدہ ہوں ۔ کانگرس کا خیال ہے کہ حکومت اپنی ضد اور خود رائی کے باوجود سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کی جا سکتی ہے ۔

جناب والا! اس کے بعد حکومت کے آٹھویں اگست کے بیان میں

مسٹر ایمری کی تقریر کا وقت آتا ہے۔ اب سارے معاملے کا مرکز یہی فیصلہ کن بیان ہے۔ حکومت برطانیہ کے بس کی بات فقط یہی تھی۔ اگر برطانوی کچھ اور کرتے اور مسلمانوں کو مجبور بھی کرتے اور انہیں اور دیگر اقلیتوں کو کانگریس کے رحم پر چھوڑ دیتے تو اس ملک کی تاریخ میں ان کا ذکر طعن اور ملامت سے کیا جاتا۔ اگر حکومت برطانیہ کانگریس کے خیال کے مطابق عمل کرتی تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ (ہندو راج زیر سایہ تلوار برطانیہ)

جناب والا یہی ہے وہ چیز جس کے سبب کانگریس کے ساتھ میرا شدید اور بنیادی اختلاف ہے، کانگریس فی الحقیقت آزادی ہند کی طلبگار نہیں۔ مَیں ابھی مسٹر گاندھی کے بیان سے اس کا ثبوت دونگا۔ کانگریس چاہتی ہے کہ برطانیہ کے زیر سایہ اسکو حاکمانہ اختیارات حاصل ہوں اور ایسی طاقت کہ جس کی چاہے رعایت اور حمایت کر سکے نیز یہ کہ وہ مسلمان اور دوسری اقلیتوں پر فوقیت پائے، ان پر حکومت کرے، مسٹر گاندھی کا ۲۹ اکتوبر کا مضمون اس حقیقت کا شاہد صادق ہے۔ ہم مسٹر گاندھی کے مضمونوں میں جس بات کی چاہیں تائید تلاش کر لیں۔ وہ یونان کے مندر ڈیلفی کی آواز غیب کی مثال ہیں کہ ہر شخص اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ واقعی مسٹر گاندھی کا مفہوم سمجھنے کے لئے عمیق مطالعہ کی حاجت ہے۔ جناب وائسرائے کی پیشکش رد کرنے کے بعد مسٹر گاندھی نے پچھلے سال بتاریخ ۲۹ اکتوبر فرمایا کہ "اگر آج برطانوی اس ملک سے نکل جائیں تو پنجابی (یعنی فی الحقیقت مسلمان) اور گورکھے ہندوستان میں تنگ و تاز کرنے لگیں گے اسلئے اگر کوئی شخص ہندوستان میں

برطانوی فوقیت اور حکومت قائم رکھنے کا خواہشمند ہے، تو وہ صرف کانگریس ہی ہو سکتی ہے۔" یہ الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

ایک آنریبل ممبر۔ پڑھتے جائیے۔

مسٹر جناح۔ میں پڑھ رہا ہوں۔ میں نے آپ سے کہیں بڑھ کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب میں اس بیان کا موثر جزو پیش کرتا ہوں۔" محض کانگریس ہی باشندگان ہند کی اور ان ہندوؤں کی نمائندہ ہے جو اپنی اکثریت کے باوجود کمزور ہیں۔" میں اس ایوان سے پوچھتا ہوں۔ ہر ذی فہم شخص سے پوچھتا ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ دسویں اکتوبر کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک قرارداد منظور کرتی ہے اس میں آزادی اور تعمیر آئین کے لئے مجلس باشندگان مانگی جاتی ہے جسے جملہ بالغان انتخاب کریں۔ اور بیس روز بعد مسٹر گاندھی مذکورہ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے معنی فقط یہ ہو سکتے ہیں کہ مسٹر گاندھی حکومت برطانیہ کو کہتے ہیں کہ "سارا معاملہ مجھ سے طے کر لو۔ میں پنجابیوں اور گورکھوں سے بڑھ کر تمہاری فوقیت کے قیام کا طالب ہوں۔" اب سنیئے کہ جب اس فریب کاری سے کاربرآری نہ ہوئی تو مسٹر گاندھی دس اکتوبر والی قرارداد کے تو مرید ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب ان کو اس قرارداد کی مجلس باشندگان اور اس کے اختیارات آئین سازی میں ہی وہ علاج نظر آنے لگا جسے انہوں نے ہندوستان کے ہر درد کا دارو قرار دیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ مجلس باشندگان مار مار کر ہلاک کر دی گئی۔ اس کے بعد کانگریس کی قرارداد وہلی کی باری آتی ہے۔ آج اس ایوان میں حزب مخالف کے لیڈر نے اپنی تقریر میں اسی شد و مد کے ساتھ اصرار کیا ہے۔

مگر صرف ایک جزو کا ذکر کیا۔ انہوں نے پہلے جزو پر کچھ بہت زیادہ زور نہیں دیا پہلا جزو اعلان کرتا ہے (اور اگر مَیں صحیح نہیں کہہ رہا تو تصحیح کر دیجئے) کہ "ہندوستان کے لئے کامل آزادی ہو اور غیر حکومت سے مخلصی، رہائی، نیز مجلس باشندگان کے وسیلے سے تعمیرِ آئین کا حق اور مرکز میں ایک عارضی حکومت جو اس ایوان کے منتخب اراکین کے سامنے جوابدہ ہو۔" واضح ہو کہ عارضی قومی حکومت کے مطالبہ سے پہلے لفظ "اور" ہے نہ کہ "یا"۔ واہ وا، کیا کہنے ہیں۔ یقین کیجئے گا۔ یہ بات آپ سے کہیں بڑھ کر میرے دل کو لگتی ہے۔ جب میں اکیس برس کا لڑکا تھا تو اس کے خواب دیکھا کرتا تھا مگر ملک بھر میں اور اس ایوان میں صورتِ حال دگرگوں ہو گئی ہے۔ حزبِ مخالف کے لیڈر نے کہا کہ "قومی حکومت" کے معنی "جمہوری اور اکثریت کی" حکومت نہیں۔ انہوں نے اسکی تشریح بھی کر دی۔ اگرچہ یہاں لفظ "قومی" درست رہنمائی نہیں کرتا۔ بہر حال میں اس بحث میں نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ جب کانگرس قراردادیں منظور کرتی ہے تو قدیم ہند کے شارحینِ قانون کی مثل آجکل بھی بڑے بڑے فاضل تفسیر اور شرح کرنے لگتے ہیں، اور کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل قانون فراموش ہو جاتا ہے۔ اہلِ کانگرس نے کہا کہ قومی حکومت سے ہماری مراد مرکب (کمپوزٹ Composite) حکومت ہے۔ کہئے مَیں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی:۔ ہاں!

مسٹر جناح آپ چاہیں تو اسے کولیشن (Coalition) ہی کا نام دیجئے۔ مطلب دونوں کا یہی ہے کہ وہ حکومت جس میں سب پارٹیاں شامل ہوں۔

مسٹر ڈیسائی۔ کولیشن کی اصطلاح مسٹر ایمری نے برطانوی حکومت کو زیر نظر رکھتے ہوئے استعمال کی۔ کم سے کم یہ مشابہت انہیں کی پیدا کردہ ہے۔

مسٹر جناح۔ مگر مسٹر ایمری نے اسی تقریر میں یہ بھی تو کہا کہ "برطانوی حکومت جیسی حکومت ہندوستان کو نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کو ان معانی اور مفہوم کے مطابق ایک وحدانی وجود حاصل نہیں جو انگلستان کو ہے۔ ہندوستان مستقبل کے محل آزادی میں بہت سے مکانات کی گنجائش ہے۔" ہاں تو کہئے کہ قرارداد زیر نظر کا پہلا حصہ رخصت ہوا؟ کیا آپ فوری آزادی کے اعلان اور حق تعمیر آئین بذریعہ مجلس باشندگان کے طلبگار نہیں رہے۔

مسٹر اینے۔ ایک تشریح تو یہ کی گئی ہے کہ محض "حق اعلان" تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

مسٹر جناح۔ کانگریس تو حکومت برطانیہ سے تقاضا کر رہی ہے کہ آج، ابھی، فوری آزادی کا اعلان کیا جائے۔

مسٹر اینے۔ میں نے مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تشریح کی طرف اشارہ کیا تھا۔

مسٹر جناح۔ لیجئے ایک اور تشریح۔ یہی تو مصیبت ہے۔ جناب والا میں کہتا ہوں کہ اگر کانگریس کوئی واضح اور قطعی اور قابل عمل تجویز پیش کرے تو ہم اس پر غور کرنے کے لئے تیار اور رضامند ہیں نہ کہ اس پر جو انہوں نے پیش کر رکھا ہے۔ ہم مسلمانوں نے اور میں نے اور لیگ نے اپنی قراردادوں میں بار بار کہا ہے کہ کانگریس کا یہ مطالبہ مبہم ہے۔ قابل عمل ہونے سے دور ہے اور مسلم ہند کے لازمی و لابدی اغراض و مفاد کے لئے نقصان رساں ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ

کوئی حکومت کسی غیر ملک کے باشندوں پر اپنا تسلط جاری نہیں رکھ سکتی۔ اگر یہ لوگ حلقۂ حکومت اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے قابل ہوں۔

اگر آپ کو کامل آزادی پر یقین ہے تو میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اپنے ارادے پر قائم رہیے پھر حکومت برطانیہ کے ساتھ قول و قرار کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ برطانویوں سے یہ مانگنے سے کیا حاصل کہ پہلے آپ ہمیں ایک مجلس باشندگاں دیں جو آئین تعمیر کرے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حکومت برطانیہ کو یہ عزت، یہ استحقاق اور یہ منصب دینا چاہتے ہیں کہ جو آئین خود آپکی مجلس باشندگان وضع کرے اسے وہ انگلستان کی کتاب قوانین میں درج کرلے۔ یہ کیوں ہوا؟ آپ کے مطالبہ آزادئی کامل کی بنا پر برطانیہ کو تو ہندوستان سے واسطہ ہی نہ رہا۔ پس آزادی پکاریے اور صاف صاف اس کی خواہش ہے تو جملہ اہل ملک سے فیصلہ حتمی طلب کیجئے۔ اگر یہ بات نہیں اور آپ کا اصل مطلب جو میرا بھی ہے یہ ہے کہ حکومت برطانیہ فی الفور اختیارات حکومت کا ایک معقول حصہ ہمارے حوالے کرے تو یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ برطانوی حکومت اور برطانوی پارلیمان ایک قانون وضع کریں اور اس کی رو سے اختیارات حکومت باشندگان ہند کے نمائندوں کو منتقل کر دیں۔ ہاں یہ ہے وہ تجویز جسے میں سمجھ سکتا ہوں کیونکہ ہم اس کو مذاکرات کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔

الغرض اگر آپ اپنی قرارداد کے پہلے حصہ کو چھوڑ دیں اور سب پارٹیوں کی ایک مشترکہ اور عارضی حکومت مانگیں جو ہماری اس مجلس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو تو میں کہوں گا کہ ہمیں اپنا احساس تناسب و

موزونیت نہ کھونا چاہیئے۔ میں کانگرس پارٹی کے معزز اراکین سے کہتا ہوں کہ چاہے آپ کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر ہم سب خطرے میں ہیں۔ ہم اس وقت بے پروا نہیں رہ سکتے اور اگر آپ کے پاس واقعی کوئی ایسی قابل عمل تجویز ہے جو سب ہوشمند معقولات پسند پارٹیوں کے لئے قابل قبول ہو تو آپ اس کے متعلق کیوں ایک صحیح راستہ، مناسب طریق کار اور موزون دستور عمل تیار نہیں کرتے؟ برطانویوں کو مخاطب کرنے سے کیا حاصل؟ تجویز کو برطانوی اخبار ڈیلی ہیرلڈ میں طبع کرانے میں کیا فائدہ؟ سنئے یہ لوگ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ایک فراخدلانہ پیشکش اختراع کی ہے۔ اس کی تعریف و توصیف ہمارے فاضل اور قابل اہل صحافت نے بھی خوب کی ہے۔ انکی ایک کثیر تعداد اس وقت یہاں نظر آرہی ہے۔ مگر مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے پر حکومت برطانیہ غور نہیں کر رہی۔ سنئے وہ مختصر الفاظ میں کیا کہتے ہیں: "اقلیتوں کے متعلق مسٹر ایمری کی مشکلات کے جواب میں میری فراخدلانہ پیشکش یہ ہے کہ اگر ملک معظم کی حکومت ایک عارضی قومی حکومت فی الفور مرتب کرنے پر رضامند ہو تو میں کانگرس کے مختاران کار کو اس امر پر راضی کرنے کا ذمہ لیتا ہوں کہ مسلم لیگ کو وزیر اعظم نامزد کرنے کی دعوت دی جائے جو قومی حکومت کے دیگر اراکین کا تقرر جس طرح بہتر سمجھے عمل میں لائے۔"

جناب والا! مسٹر راجگوپال اچاریہ ڈیلی ہیرلڈ میں لکھنے کی بجائے آئندہ وزیر اعظم بننے والے شخص کو اپنے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے کیوں نہیں بلاتے۔ اور کہتے ہیں کہ "میں کانگرس کی مجلس عاملہ کے اراکین کو اس امر پر آمادہ کر لوں گا

کہ مَیں جو کچھ کہوں مان لیں۔" میں اپنے آنریبل دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے کاروباری طریق؟ پھر آج مسٹر راجگوپال اچاریہ اس بات کو جائز ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے مسلم لیگ کو پیشکش نہ بھیجی۔ میں حیران ہوں کہ ان کے دماغ کا طریق فکر کیوں اس قدر تعجب انگیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرحال وہ اس وقت یوں فرماتے ہیں اور اس ضمن میں مسلمانوں کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ باقی سب ہندوستانیوں سے بڑھ کر آزادی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ ......

سر رضا علی۔ جناب پر یہ کب روشن ہوا۔

مسٹر جناح۔ آپ سے پہلے —— ہاں تو مسٹر راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ "میری فراخدلانہ پیشکش کو برطانوی حکومت نے قابل التفات نہ سمجھا۔ بعض نکتہ چین کہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی بجائے مسٹر جناح کو پیشکش بھیجنی چاہیئے تھی۔ مگر مَیں نے برطانوی حکومت کو یہ پیشکش ہرگز نہیں دی۔ البتہ مَیں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے اسے دل میں جگہ دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر میں سب سے پہلے یہ پیشکش مسٹر جناح کو دیتا تو یہ غیر مناسب ہوتا۔ وہ جائز طور پر خیال کرتے کہ ہماری ہتک کی گئی ہے اور کہتے کہ میں عہدوں کا خواہشمند نہیں ہوں۔"

مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر مسٹر ایمری یہ پیشکش قبول کر لیتے اور اس کے بعد یہ میرے پاس آتی تو کیا مَیں پھر بھی وہی جواب نہ دے سکتا تھا؟ کیونکہ پیشکش بھی وہی اور اس کی شرائط بھی وہی تھیں۔ چنانچہ میں بقول مسٹر راج

گوپال اچاریہ اب یوں کہتا ہوں کہ لیجیے مسٹر ایمری اور مسٹر راجگوپال اچاریہ دونوں نے مل کر میری توہین کی ہے اور مجھے عہد دل کا متلاشی قرار دیا ہے۔ مَیں کہتا ہُوں کہ دوسروں کی نسبت کچھ تھوڑا سا تو مان لیجئے کہ وہ فہم عامہ رکھتے ہیں۔ بتائیے تو کیا یہی ہے تشریح اس طریق عمل کی جو پیشکش کے متعلق اختیار کیا گیا۔

ایک آنریبل ممبر۔ باقی حصہ بھی پڑھ ڈالیئے۔

مسٹر جناح۔ سنیئے وہ یُوں کہتے ہیں کہ " اگر مسٹر جناح اسے قبول کر لیتے تو اسے عمل میں لانا ان کے اختیار میں اسی وقت ہوتا جب کہ برطانوی حکومت پہلے اس امر کا عہد کر لیتی کہ ہم اختیارات منتقل کرنے کے لئے تیار ہیں"۔ الغرض ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسٹر جناح اسے مان لیتے تو مجھے یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اسے عمل میں لا سکتا۔ اس پر بھی میری غرض یہ ہے کہ اختیار نہ تو مسٹر راجگوپال آچاریہ کو حاصل تھا اور نہ مجھے۔ بہرحال برطانوی حکومت کا تازہ ترین فرمان یہ ہے کہ " اگر آپ دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہمی قول و قرار کے بعد ایک متفقہ فیصلہ منظور کریں تو ہم اس پر غور کرنے کو تیار ہیں"۔ جب صورت حال یہ ہے تو مسلم لیگ سے بالا بالا یہ پیشکش برطانوی حکومت کے سامنے لانے سے کیا فائدہ ہُوا۔

ایک آنریبل ممبر۔ ہم باہمی اتفاق و اتحاد کر سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت برطانیہ اختیارات منتقل کرنے پر رضامند ہو۔

مسٹر جناح میں کہونگا کہ اختیارات دے ڈالنے کے متعلق

برطانوی حکومت اس حد تک نہیں گئی جہاں تک آپ پہنچنا چاہتے ہیں مگر اتنا تو برطانوی مختارانِ کار نے کہہ دیا ہے کہ "ہم جملہ سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کو حکومت مرکزی میں شامل کرنے پر رضامند ہیں تاکہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کرکے نمائندگان ہند کو حکومت ہند میں ایک اہم حصہ دے دیں۔" میرے نزدیک یہ آخری لفظ ہرگز نہیں۔ اس میں بھی تغیر و تبدّل ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسیات میں آخری لفظ کبھی زبان پر نہیں لایا جاتا۔ ہاں اگر آپ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آپ کو ایک ایسا ہی کورا چک دے دیں جیسا کہ مسٹر گاندھی مجھے پچیس سال سے دے رہے ہیں تو یہ خیال بے کار ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کوئی قابل عمل تجویز کریں تو ہم ایک متفقہ مطالبہ مسٹر ایمری یا یوں بھی کہیئے کہ برطانوی پارلیمان یا برطانوی قوم سے کر سکتے ہیں۔

ایک آنریبل ممبر۔ کانگرس پارٹی تو خاموش ہے۔

مسٹر جناح۔ بات یہ ہے کہ نہ تو مجلس باشندگان اور نہ کامل آزادی ہندوستان کے تمام امراض کا علاج ہے میری شکایت یہ ہے کہ آپ اپنی اس بات پر قائم نہیں ہیں اگر ہوں تو میں کہوں گا کہ خدا کا فضل تمہارے شامل حال ہو۔ ہاں دیانت داری کے ساتھ قائم رہیئے اس میں مَیں آپ سے اتفاق کروں یا نہ کروں مگر آپ کی عزّتِ اور توقیر کروں گا۔ اور اگر آپ اس پر قائم رہنا نہیں چاہتے تو اس مطالبے کے آسمان سے اتر کر زمین پر آئیے اور پھر ہم سب بقول مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اہل عمل بن کر

واقعات اور حقائق کا سامنا کریں گے ۔ اور بقول برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈین" ہندوستان کی حکومت جاتی رہے گی ۔ اخبار مذکور کہتا ہے کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ ہم برطانویوں کی حکومت اور فوقیت کی حالت ہندوستان کے اندر اس سبب سے قائم ہے کہ دوسرے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں" یہ ہے موجودہ صورت حالات ، ہندوستانی یعنی خود میں آئندہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا ۔ اب میں ایک آخری فقرہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کروں گا ۔ جب ہم اس معصوم بچے کی نسبت باتیں کرتے ہیں جو پیش کیا جا رہا ہے یعنی یوں کہتے ہیں کہ عارضی حکومت مرتب کی جائے اور یہ حکومت ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو تو بعض امور اہم فراموش کر دیتے ہیں ۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب آپ مطالبہ مذکور کی تفصیلات کا امتحان کریں گے تو نہایت دور رس ضرورتیں پیدا ہوں گی ۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے مطالبے کے مطابق نئی حکومت یا کابینہ مرتب کرنے کے لئے آئین موجودہ میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی ۔ صرف اس صورت میں یہ عارضی قومی حکومت صرف منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو سکے گی ۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں دو امور پر زور دیا یعنی جمہوریت ، جمہوریت جمہوریت پکارتے رہیئے اور ایک عارضی قومی حکومت مانگتے رہیئے مگر اس سے کیا حاصل ہوگا ؟ نئی حکومت ، نیا کابینہ چاہے کیسا ہی ہو اور وہ ذمہ وار بھی ہو اس مجلس قانون کے سامنے ۔ مگر پھر بھی یہ مجلس ایسی ہی ہو گی

جس کے دو تہائی منتخب ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈلیسائی یا کانگریس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کریں گے۔ میرے نزدیک وہ شخص قابل رحم ہوگا جو اس کابینہ حکومت میں تو شامل ہو مگر کانگریس کے احکام اور کانگریس کے فرمان کی متابعت نہ کرے۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم سٹوڈنٹس یونین کے اجلاس میں ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء
کو بمقام احمد آباد ارشاد فرمائی۔

حضرات! ہندوستان کی تقسیم عمل میں آنی چاہیئے تاکہ ہندو اور مسلمان نہ صرف دوستوں اور خیر خواہ ہمسایوں کی طرح یہاں بود و باش رکھیں بلکہ اپنی فطرت اور حیات کے مطابق پھلیں پھولیں اور ترقی کریں اور اگر ہندوؤں کی کوشش یہ ہو گی کہ سارا ہندوستان لے لیں تو وہ سارا کھو بیٹھیں گے۔ اور اگر وہ ایک تہائی ملک مسلمانوں کے حوالے کریں گے تو باقی دو تہائی ان کی ہی ملک رہے گا۔ ہندو صوبوں کی مسلمان اقلیتیں اپنی قسمت پر قانع رہیں گی۔ اور صوبجات اکثریت کے مسلمانوں کی راہ آزادی میں سدِ راہ نہ بنیں گی۔ میں مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ صوبجات اکثریت اہل ہنود سے وہ سب کے سب نقل مکان کریں اور پاکستان میں جب وہ قائم ہو آبسیں۔

میرا خاص منشا یہ ہے کہ صوبجات اکثریت اسلامیان جہاں پاکستان کا قیام پہلے ہی عمل میں آگیا ہو۔ اکثریت ہنود کی مرکزی حکومت کے دست قدرت میں نہ ہوں مرکز میں ایک وحدانی حکومت کے قیام کا تصور اب مٹ

گیا ہے۔ لیکن اگر کسی وقت اسے از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی، تو مسلمان اس کا سخت مقابلہ کریں گے۔ اس کا سبب ظاہر ہے۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آیا تو مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہندو اقلیتیں اس امر کو ناممکن بنا دیں گی کہ مسلم وزارتیں حکومت کی کل چلا سکیں ان اقلیتوں کی پشت پر ہندو اکثریت والی مرکزی حکومت ہوگی جو ان کو اس معاملہ میں مدد دے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر اعتبار سے اور عملاً مسلم اکثریت کے صوبوں کی حکومتیں مرکزی حکومت کی باجگزار بن کر رہ جائیں گی۔

حضرات! ہندو مہاسبھا کھلے طور پر اور لگی لپٹی روا رکھے بغیر اس امر کا ثبوت اپنے قول و فعل سے دے رہی ہے کہ ہم سارے ہندوستان میں ہندو راج چاہتے ہیں۔ کانگرس پکارتی ہے کہ ہندوستان کو جمہوریت اور مشترکہ حلقہ ہائے انتخاب کی ضرورت ہے اور ایسی مرکزی حکومت کی حاجت جو مرکزی مجلس قانون ساز کے صرف منتخب اراکین کے سامنے جواب دہ ہو۔ لیکن اپنے کامل معنی میں آج جمہوریت دُنیا میں کہیں موجود نہیں۔ یہاں تک کہ انگلستان میں بھی حکمرانوں کی ایک جماعت ہی کی حکومت ہے۔ لیکن ہندوستان میں ایسی جمہوریت کا بھی امکان نہیں۔ مذہب تو بجائے خود رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے کوئی چیز مشترکہ نہیں۔ وہ عناصر جن سے قوم بنتی ہے اور فیصلہ قومی کا اظہار کیا جاتا ہے یہاں موجود نہیں کہ ہم ہندوستان والے انگلستان ایسی نام نہاد اور کمزور سی جمہوریت ہی اختیار کر لیں۔

"(یہ اجلاس اس مقصد کے منعقد کیا گیا تھا کہ قائد اعظم قرارداد لاہور متعلقہ پاکستان پر روشنی ڈالیں۔)

حضرات! طلبائے علی گڑھ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کس خلوص و محبت اور الفت و التفات سے میرا خیر مقدم کیا۔ جب پچھلے سال میں نے آپ سے خطاب کیا تھا تو ابھی قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان وضع نہ کی گئی تھی۔ مگر میں نے دیکھ لیا تھا کہ آپ اس امر کے لئے مضطرب ہیں کہ قرارداد لاہور کے نصب العین کا اعلان کیا جائے۔ مجھے ہندوستان کے دیگر حصوں کے مسلمانوں میں بھی یہی احساس نظر آیا۔ چنانچہ لاہور میں جو کچھ کیا گیا تھا، یہی تھا کہ ہمت کر کے ان تمناؤں کا اظہار کر دیا جائے۔ اس پر تمام ہندو اخباروں اور ہندو لیڈروں کو گویا مالیخولیا ہو گیا۔ انہوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا۔ مگر ان کے اخباری پراپاگنڈہ۔ بدزبانی۔ دروغ بافی اور شور دیوانگی کے سبب ہمارے خیالات میں فرق مطلق نہیں آیا۔ میں بارہا

کہہ چکا ہوں کہ جمہوری اور پارلیمانی نظام حکومت جو انگلستان اور دیگر مغربی ممالک میں رائج ہے۔ ہندوستان کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے۔ کانگریس کے اخبارات مجھے آزادی ہند کا دشمن کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ مگر اصحاب فکر پر رفتہ رفتہ صداقت روشن ہو رہی ہے۔

حضرات! ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی دو ستونوں پر قائم کی گئی ہے یعنی ہندوستان ایک وجود واحد ہے۔ اور دوسرے یہ کہ آئین ہند کی بنیاد مغربی نمونے کا جمہوری نظام ہونا چاہیئے۔ لیکن مسلمانان ہند نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ ہم اصطلاح اقلیت کے مستند معنی کے اعتبار سے اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر ہندوستان میں کبھی کسی قوم واحد کا وجود نظر آیا تو وہ ہم ہیں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند بھی یہ امر تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "نو کروڑ مسلمان کل ہند کا ایک علیحدہ جزو ہیں نہ کہ محض ایک اقلیت بہ لحاظ تعداد۔ اس لئے کوئی آئین جسے وہ قبول نہ کریں ان پر جبراً عائد نہیں کیا جا سکتا" میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آج وہ ستون تو پارہ پارہ ہو کر بالکل تباہ ہو گیا ہے جو سارے ہندوستان کو ایک واحدانی وجود قرار دیتا تھا (بلند نعرۂ مسرت) دوسرا ستون ہے جمہوریت۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود یورپ میں اس کی نسبت کیا خیال کیا جاتا ہے۔ پھر ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان کے حق میں اسے کیا سمجھنا چاہیئے۔ "مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز" اور "سالوبڈورڈی میڈاریگا" جیسے اہل الرائے نے اپنی تحریروں میں ثابت کیا ہے کہ یورپ میں جمہوریت کا قلع قمع ہو رہا ہے۔ وہاں جمہوریت کے

پردہ میں اصحاب فرصت و فراغت کی جماعت امرا حکومت کرتی ہے لیکن اگر مغربی ممالک اور بالخصوص انگلستان میں جمہوریت تھوڑی بہت کامیاب ہو رہی ہے تو اس کا سبب وہاں کے خاص حالات ہیں۔ جمہوریت صرف ایسے ملک میں عمل پذیر ہوتی ہے جہاں ایک قوم اور ایک سماج آباد ہو۔ باشندگان انگلستان یقیناً ایک قوم پر مشتمل ہیں۔ زندگی کے لازمی اور ابدی حقائق کے اعتبار سے ان کے اغراض اور خیالات مشترکہ ہیں۔ دُنیا کے کسی ملک میں بھی جہاں دو قومیں یا دو سماجیں ہوں ایسی کمزور جمہوریت بھی نہیں ملتی جو انگلستان میں رائج ہے۔ اگر ہندوستان کے اندر جمہوریت قائم کی جائے تو لازمی طور پر سماج کی حاکم ایک مستقل اور سدا بہار اکثریت ہوگی۔ دنیا کوئی ایسی مثال پیش نہیں کرتی جہاں دو قوموں کو ایک وحدانی آئین کا جبراً پابند بنایا گیا ہو۔ ہم کو اصل واقعات سے تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح برطانوی پارلیمانی نظام حکومت سے ہندوستان کے تمام غیر ہندوؤں کی کامل فوقیت عمل میں آئی۔ مسلمان اور تمام اقلیتیں اپنی طاقت کھو بیٹھیں اور آئین مروّجہ (ابرد ئے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء) کے ماتحت اختیارات حکومت میں کوئی حصّہ حاصل کرنے سے مایوس ہو گئیں۔

حضرات! ان تمام چیزوں میں جو زندگی کے لوازمات عظیم ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلاف و تفریق ہے۔ حقائق سے آنکھیں بند کرنا بیکار ہے۔ خود ہندوؤں کے اندر اختلافات ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ذاتیں ہیں۔ جدا جدا گوتیں ہیں۔ بحیثیت مجموعی ان سب نے قطعی طور پر ایک غیر جمہوری سماج

بنا رکھی ہے۔ بایں ہمہ وہ یکایک جمہوریت کے عاشق ہو گئے ہیں۔ جمہوریت کے بغیر بات ہی نہیں کرتے (قہقہہ) حال ہی میں بمبئی میں بیراکی کا ایک تالاب محض ہندوؤں کے استعمال کے لئے تعمیر کیا گیا۔ یہ لوگ تو مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی نہانے کو تیار نہیں ہیں ہندوؤں کے احساسات کی ہنسی نہیں کرنا چاہتا میں ہر شخص کے مذہبی اعتقادات کا احترام کرتا ہوں۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرنے سے میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کس قدر گہرے ہیں یہ فرض کر لینا کہ اختلافات موجود نہیں ہیں اور پھر اس بنیاد پر ہندوستان کے لئے آئین تعمیر کرنا دانائی نہیں۔ اگر اہل ہنود ان حقائق اور مشکلات کو نظر انداز کر دیں گے جو ہندوستان کو ایک سیدھے سادھے جمہوری نظام میں داخل کرنے کی راہ میں حائل ہیں تو وہ خود اپنے بھائیوں کو شدید نقصان پہنچائیں گے۔ وہ جمہوریت جسے وہ ہندوستان پر بزور عائد کرنا چاہتے ہیں ناممکنات میں سے ہے کیونکہ وہ حالات بھی تو یہاں موجود نہیں جنہوں نے دوسرے ملکوں میں ایک ہلکی اور کمزور سی جمہوریت ممکن بنا رکھی ہے یہ خیال جس قدر جلد ترک کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے قرارداد لاہور منظور کی جو اس امر کی وکالت کرتی ہے کہ ان طبقات میں یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی ہند جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کی جائیں۔ اور یہاں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت حکماً یعنی آئین و قانون کے ذریعے سے کی جائے۔ تدبیر تقسیم کو سمجھنے کے لئے کسی بہت بڑے عالم یا فاضل قانون دان کی ضرورت

نہیں لیکن اس پر غور کرنے کی تکلیف اُٹھائے بغیر ہی کانگرس اور دُوسرے ہندوؤں کے حلقے میں شور دیوانگی بُلند ہونے لگا۔ گویا پاکستان ایک ہیبت ناک خواب تھا یا خطرناک جنون۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا وجُود صدیوں سے موجُود ہے۔ وہ آج بھی زندہ ہے اور فردائے قیامت تک زندہ رہے گا۔ (العرۃ تحسین) یہ ہم سے لے لیا گیا تھا۔ ہمیں اسے واپس لینا ہے۔ ہندوؤں کو اس پر کیا حق حاصل ہے؟ ہمیں اپنی ملکیت کے قبضے میں لانے سے کون روک سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خود ہم سے بڑھ کر ہندوؤں کے مفاد کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ مسلم لیگ بدرجہ آخر کیا کہتی ہے؟ فقط یہ کہ وہ طبقے جہاں مسلم آبادی کو صاف اور بیّن اکثریت حاصل ہے انہیں الگ کر کے آزاد ریاستیں قائم کی جائیں اور جہاں جہاں ضرورت ہو زمین کی موجُودہ حدود میں ردّ و بدل کیا جائے۔ اس تدبیر و تجویز کے ماتحت ہندوؤں کو دو تہائی ہندوستان ملے گا جہاں وہ اپنی ریاستیں قائم کر سکتے ہیں۔ ان کو اپنے جائز حصے پر قناعت کرنی چاہیے ان کو سارا ہندوستان کبھی نہیں مل سکتا۔ میں آپ کو آگاہ کر سکتا ہُوں کہ برطانوی اور کانگریسی حلقوں میں یہ احساس روز بروز ترقی کر رہا ہے کہ تقسیمِ ہند دونوں اقوام کی اغراض و مفاد کی بہتری کا بہترین وسیلہ ہے۔

حضرات! پاکستان کے خلاف اب پُرانے اقوال ترک کر دیئے گئے ہیں مثلاً ہندوستان کی چیر پھاڑ کرنا، مادرِ گاؤ اور مادرِ ہند کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دینا وغیرہ۔ اس کی بجائے اب دلائل نے اور ہی رنگ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پُوچھا جاتا ہے کہ تقسیم کے سبب ہندوستان کی حفاظت اور سلامتی میں فرق

تو نہ آئے گا۔ ہندو اخبارات نے یہ خوفناک ہوّا کھڑا کیا ہے کہ "اگر ہندوستان کی تقسیم کی گئی تو مسلمان سارے ملک میں تنگ و تاز کریں گے"۔ مگر یہ ایک بے بنیاد بہتان ہے۔ کیونکہ اگر ہندوؤں کی خوفزدگی کی یہ کیفیت ہے تو بتائیے کہ وہ سارے ہندوستان پر کس طرح حکومت کر سکیں گے؟ "پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہ ہوں گے بحالیکہ ہندوستان کی سلامتی کے حق میں تقسیم بُری ثابت ہوگی کیونکہ آج تک تمام بیرونی حملے شمال مغرب کی طرف سے ہوئے ہیں اور خود پاکستان ان حملوں کی مدافعت اور حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکے گا مزید برآں فقط ایک متحدہ اور جمہوری ہندوستان ہی ان حملوں کو روک سکے گا اس لئے ایک مرکزی جمہوری حکومت کا ہونا لازم ہے"۔ گویا بیرونی حملوں سے حفاظت صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک مرکزی حکومت ہو اور ان لوگوں کو انتخاب میں اکثریت حاصل ہو (قہقہہ) ہمارے ہندو دوست ہندو اکثریت کے صوبوں کی مسلم اقلیتوں سے پوچھتے ہیں کہ "بھلا آپ کو پاکستان سے کیا فائدہ ہوگا آپ کو ہندو یقیناً نقصان پہنچائیں گے"۔ حضرات! شمال مغربی حملوں کے ضمن میں پوچھتا ہوں کہ پرتگیز کدھر سے آئے تھے؟ فرانسیسی کس طرف سے؟ اور ہمارے برطانوی آقا کس جانب سے؟ کیا یہ تینوں بھی درہ خیبر سے گزر کر آئے تھے؟ یہ لوگ سمندر کے ساحلوں سے آئے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جدید جنگ کے طریق سرحدوں سے ناآشنا ہیں فیصلہ کن ہتھیار فضائی لشکر ہے دول بری اور بحری کی اب ثانوی حیثیت ہو گئی ہے اس لئے ہمیں خیر خواہ ہمسایوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ ہندو جنوب اور مغرب

کی حفاظت کریں اور مسلمان شمال اور مغربی سرحدوں کی۔ اس طرح ہم متحد اور مستحکم ہو کر دنیا کو کہہ سکیں گے کہ "ہندوستان سے دُور ہی دور رہیے۔ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہے۔" (نعرۂ تحسین)

حضرات! ہمارے مخالفین کا دوسرا اعتراض مسلمان اقلیتوں سے متعلق ہے۔ مگر اس میں کوئی زور نہیں۔ وزن نہیں۔ مسلم اقلیت کے صوبوں کے مسلمان وضعدار ہیں۔ وہ ہمت ور ہیں۔ چنانچہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "ہم اپنے ان بھائیوں کی مخلصی اور آزادی کے لئے ہر قسم کی تکلیف اُٹھانے اور قربانی کرنے کو تیار ہیں جو مسلم طبقات اکثریت میں آباد ہیں۔ اگر ہم ان کی راہ روکیں گے اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے ہمراہ ایک وحدانی ہند میں لے جائیں گے تو انہیں بھی ایک اقلیت ہی بنا ڈالیں گے۔ مگر ہم عزم راسخ کر چکے ہیں ہم پر چاہے کتنی ہی بپتا پڑے ہم اپنے بھائیوں کو ہندوؤں کا غلام نہ بننے دیں گے۔"

حضرات! امر واقعہ یہ ہے کہ آزاد ریاستوں کی تخلیق بجائے خود اس امر کی یقینی اور کامل ضمانت ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا اور جب مشورے اور مذاکرے کا وقت آئیگا تو صُوبجات اقلیت کے مسلمانوں کے حقوق کی پوری پوری پیروی کیجائے گی۔ پاکستان ایک خیالی منزل مقصود نہیں بلکہ عملی لحاظ سے یہی ایک چیز ہے جسکے ذریعہ آپ اس ملک میں اسلام کو قطعاً فنا ہونے سے بچا لینگے۔ اس کے لئے ابھی ہمارا سفر طویل ہے۔ پاکستان تو موجود ہے مگر ہمیں اسکو قبضے میں لانا ہے۔ آزادی کا ہاتھ آنا آسان ہے مگر سنبھالنا مشکل، انگلستان اور امریکہ آزاد اور خود مختار

ہیں مگر انہیں اپنی آزادی کے قیام کیلئے کس قدر جدّ و جہد کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں اپنے آپکو تیار کرنا ہوگا۔ ہاں اپنی قوم کو طاقتور بنائیے اور اسے تعلیم، صنعت و حرفت اور تجارت کے لحاظ سے اور حفاظتِ ملک کیلئے تیار کیجئے۔ ہمارے لئے یہ دو مسئلے بڑے اہم ہونگے یعنی اندرونی امن و امان قائم رکھنا اور بیرونی دشمنوں کو روکنا۔ چرخے کاتنے سے آزادی حاصل نہیں ہو سکتی نہ قائم رکھی جا سکتی ہے ہمیں اپنے گھروں کی حفاظت کیلئے اور اپنے محبوب نصب العین کیلئے لڑ مرنے کو تیار رہنا ہوگا۔ پاکستان کا وجود میں لانا آپکے اختیار میں ہے۔ اگرچہ ہندوستان اس وقت جنگ کے میدانوں سے دُور ہے مگر ایک قسم کی جنگ یہاں بھی جاری ہے۔ پس میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ تیاری کیجئے اور ہر آنیوالی ضرورت سے عہدہ برآ ہونیکے اہل بن جائیے۔ علی گڑھ اسلامی ہند کا قلعہ ہے اور آپ لوگ بہترین سپاہی۔ دیہات میں نکل جائیے وہاں عامہ خلائق کو تعلیم دیجئے اور ہر طرح سے ترقی کرنے میں مدد بہم پہنچائیے۔ اپنی قوم کے ہر فرد کو بتائیے کہ ہماری منزلِ مقصود کیا ہے۔ بہت سے لوگ ان لاعلم لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ ہاں ان غریبوں کو اچھی طرح سمجھا دیجئے۔ پھر وہ اپنی منزل کی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔

حضرات! پچھلے چند سالوں میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی گرانبہا خدمت کی ہے۔ ان کا وقار اور احترام بڑھایا ہے یہاں تک کہ آج ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ایک جدا و جداگانہ وجود تسلیم کئے جانے لگے ہیں جبسے اپنے وطن اور اپنی جداگانہ ریاست کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ ہمیں اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے ایک پُرجلال اور انتہائی کوشش کرنی ہوگی۔ کانگرس اور مسٹر گاندھی کی سازشوں اور حیلوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک مصدقہ طاقت ہے۔ پچھلے سال مسٹر گاندھی مجھے ملنے کیلئے دہلی آئے۔ نہیں! وہ اسلامی

ہند سے ملاقات کرنے آئے کیونکہ میں ما سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ اسلامی ہند کا نمائندہ ہوں (نعرہ تحسین) ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد کبھی کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا ہو اور ان سے خوف بھی کھایا ہو؟ مسلم لیگ کی آواز دنیا کے گوشے گوشے میں حتیٰ کہ چین اور امریکہ میں پہنچ گئی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ تنظیم۔ ابھی ہم نے اپنی قوم کی تنظیم اور اپنی قوتوں کے استحکام اور ضبط کیلئے صرف چند قدم اُٹھائے ہیں۔ مگر اس کے خوشگوار نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ بہر حال ہمیں ابھی بہت سی کمی پوری کرنی ہے۔

حضرات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم روز بروز بیش از بیش توجہ تعمیری پروگرام کو دیں۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ موسم گرما کی تعطیلات کا زمانہ اس کام میں صرف کریں۔ مثلاً توسیع خواندگی۔ معاشرتی اصلاحات۔ اقتصادی بہتری اور پہلے سے بڑھ کر سیاسی شعور اور عام لوگوں کو ضبط و تادیب کی تاکید۔ ہم ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلم آزاد ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے اور ہندوؤں کے مابین صلح و آشتی کا رشتہ قائم ہو اور ہم دونوں پُرامن طریق سے ایک دوسرے کے ہمسائے بن کر رہیں۔ اس ملک میں پائدار صلح اور امن اور مسرت عامہ کی بحالی کا یہی واحد وسیلہ ہے۔ مجھے قابل اعتبار ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف حکومت بلکہ کانگرس کے ذمہ دار حلقوں میں بھی ہماری تدبیر پاکستان پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا ہے۔ پس آئیے اور اپنی منزل مقصود کی طرف قدم بڑھائیے۔ وقت آ رہا ہے۔ اور جب آپ واقعی تیار ہو گئے تو میں بتاؤں گا کہ اب آپ کیا کریں۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانپور کی کانفرنس کے
اجلاس میں ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! گزشتہ تیس برس میں فرقہ دارانہ اتحاد کے لئے کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ مگر کوئی قرارداد باہمی وجود میں نہیں آئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جن بنیادوں پر ہندو اور مسلمان لیڈروں نے مذاکرات اور قول و قرار کا کام اختیار کیا ایک دوسری سے قطعاً مختلف تھیں۔ ہندوؤں نے آغاز کار میں ہی یہ قرار دیا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور اس لئے ان کو بوجہ حیثیت اقلیت ضروری تحفظات دیئے جا سکتے ہیں اور مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر کے گفتگو کی بنیاد ڈالی کہ ہم ایک علیحدہ وحدانی وجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اندریں حالات سمجھوتہ کس طرح ہو گا۔ کانگرس نے سات صوبوں میں اختیارات حکومت پر قابض ہونے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ اقلیت کا سلوک کرنے سے یہ معاملہ بالکل واضح کر دیا۔ اس لئے مسلم لیگ کے پاس مسلمانوں کی منزل مقصود کے تعین و توضیح کرنے کے بعد کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اس نے بتاریخ ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء یہ کام لاہور میں پاکستان

کی قرارداد منظور کر کے سرانجام دیا۔ کانگرس نوجوانانِ اسلام کو ایک مدت تک یہ کہہ کر دھوکہ دیتی رہی ہے کہ وہ ایک قومی انجمن ہے اور ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کانگرس ایک قومی ادارہ نہیں ہے۔ وہ ایک فاسستی مجلس عظمیٰ (فاسسٹ گرینڈ کونسل) (Fascist Grand Council) ہے اور ایک ایسے آمر کے دست قدرت میں ہے جو چار آنے چندہ دینے والا رکن بھی نہیں۔ اب مسلم لیگ نے کانگرس کی فریب کاریوں کا راز افشا کر دیا ہے۔ جب سے مسٹر گاندھی کانگرس میں آئے ہیں اس میں روحانیت کا ایک ایسا عنصر شامل ہو گیا ہے جو حال بد پیدا کر رہا ہے۔ مسٹر گاندھی کی آمریت نے یہ حقیقت کھول کر رکھ دی ہے کہ کانگرس محض اور فقط ہندوؤں کا ایک فرقہ دارانہ ادارہ ہے مگر مسٹر گاندھی ہٹ دھرمی سے اس امر پر اصرار کئے جاتے ہیں کہ کانگرس سارے ہندوستان کی زبان ہے حالانکہ وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے اور پھر ان میں سے بھی سب کے سب کی نمائندگی نہیں کرتی۔

حضرات! راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقدہ لنڈن کے مذاکرات کے دوران میں مسٹر گاندھی نے پنجاب میں بھی مسلمانوں کے لئے اکیاون فی صدی نمائندگی نہ مانی۔ جب دونوں فرقوں کے درمیان سمجھوتہ نہ ہو سکا تو تدبیر پاکستان وضع کی گئی۔ میں غیر پاکستانی طبقات کی مسلم اقلیتوں کی نسبت کہوں گا کہ ہم طبقات اکثریت کے سات کروڑ مسلمانوں کو مخلصی

دلانے اور آزاد کرانے کے لئے اس امر پر بھی بخوشی رضامند ہیں۔ کہ اگر ضرورت ہو تو مسلم اقلیتوں کے شہید ہونے کی آخری رسم ادا کر دیں اور اس بات کی بھی پرواہ نہ کریں کہ دو کروڑ مسلمان پامال ہو جائیں گے۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے اوٹاکامنڈ (جنوبی ہند) میں جون ۱۹۴۱ء
کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! وہ وقت کچھ دور نہیں جبکہ مخالفین کے جھوٹے اور گمراہ کرنے والے پروپگینڈا کے باوجود پاکستان کی تائید ہر ہندوستانی کرے گا مجھے یقین واثق ہے کہ یہ چیز جس کی میں وکالت کرتا ہوں۔ نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ دیگر فرقوں کے اغراض و مقاصد کے لئے بھی مفید ہے۔ میری رائے میں ہندوستان کی آبادی کبھی ایک قوم پر مشتمل نہ تھی اور طرز نمائندگی پارلیمانی نظام حکومت کا ذکر ہی کیا۔ اس ملک میں کبھی بھی ایک حکومت قائم نہیں ہوئی ہندو مہاراجہ ہو یا مسلمان بادشاہ، یہ سب حاکم خود مختار ہوتے تھے۔ آج کل ہندوستان کے مختلف حصوں کا اجتماع محض برطانوی حکومت اور فوقیت کی طفیل ہے اور جوں ہی یہ لوگ یہاں سے چل دیں گے اس ملک کی جغرافیائی وحدت بھی رخصت ہو جائے گی۔

میرا ذاتی یقین ہے اور مسلمانوں کی غالب اکثریت کا بھی یہی یقین ہے کہ مسئلہ حصول آزادی کا واحد حل پاکستان ہے۔ جس سے ہندو اور مسلمان

دونوں کی آزادی مُراد ہے۔ اس ملک کی دو بڑی اقوام یہی ہیں۔
جب تک ہندو ہندو ہیں اور مسلمان مسلمان۔ اس وقت تک ہندو قوم جو اکثریت میں ہے بلا شبہ اپنے قومی فیصلے اور ارادے دین، دھرم، تہذیب و تمدن اور نظام معاشرت ان سب کے متعلق اپنے خصائص کا اظہار کرے گی انہیں عمل کا جامہ پہنائے گی۔ اور مسلمانوں پر بھی جو ایک قطعاً مختلف قوم اور تہذیب رکھتے ہیں جبراً عائد کرے گی۔ چاہے وہ اس پر رضا مند ہوں یا نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں اکثریت میں ہیں اپنی قومی خصوصیتوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قوم اکثریت اپنا طرز زندگی جاری رکھے۔ غرضیکہ دونوں اقوام اپنے اپنے فلسفہ، مذہب اور تمدن کی پاسداری اور پیروی میں بلا روک ٹوک مشغول ہوں۔
ایسی تجویز کو ہندوستان کی چیر پھاڑ بتانا باشندگان ہند کے دلوں کو زہریلا کرنے کے برابر ہے۔ رہیں اقلیتیں خواہ وہ طبقات اسلامیہ کے ہندوؤں کی ہوں اور خواہ مسلمانوں کی جو طبقات ہنود میں رہتی ہوں۔ ان کے متعلق اطمینان رکھنا چاہیئے کہ جس حد تک دُنیا کے دیگر مہذب ممالک میں اقلیتوں کی رعایت کی جاتی ہے اسی حد تک یہاں بھی ان کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔
نکتہ چینیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ پاکستان کے قیام سے اقلیتوں کا مسئلہ حل نہ ہوگا تو کیا اس طرح ضرور حل ہو جائے گا کہ ہندو راج کے ماتحت نو کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے اقلیت میں رکھا جائے؟ مَیں

پُوچھتا ہوں کہ ان دو اشخاص میں کون راست باز اور منصف مزاج ہے؟ کیا وہ جو ساری مانگتا ہے اور دوسرے کو زیر رکھتا ہے یا وہ جو کہتا ہے کہ میرا ایک تہائی وطن مجھے دے دو۔ باقی دو تہائی تم رکھو اور آؤ دوست بن جاؤ؟

اس کے جواب میں آپ ہی فیصلہ کریں!

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم لیگ ریاست میسور کے سپاس نامہ کے
جواب میں جون ۱۹۴۱ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! آپ یہاں ایک ایسے علاقے میں رہتے ہیں جو ہمارے مقام بود و باش سے مختلف ہے۔ آئینی اور بین الاقوامی لحاظ سے آپ ایک خود مختار ریاست کے باشندے ہیں۔ اس میں اور برطانوی ہند میں فرق و امتیاز ہے۔ مگر میسور ہو یا دنیا کا کوئی اور گوشہ ان دونوں مقامات کے مسلمانوں کے مابین ایک مشترکہ قومی مماثلت و یکسانیت اور الفت و موانست موجود ہے۔ فرزندانِ اسلام کو ملکی حدبندیوں اور کستانی پابندیوں سے کوئی واسطہ نہیں۔

حضرات! میں خوش ہوں کہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر نے مسٹر محمد امام کو جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پاسند پر ریاست کی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے اپنا ایک وزیر مقرر کیا۔ مجھے امید ہے کہ مسٹر محمد امام اپنے فرائض بے خوف ہو کر آزادی کے ساتھ ادا کریں گے اور خوب خیال رکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک کیا جائے۔ مجھے رنج سے کہنا پڑتا

ہے کہ بعض اوقات بدقسمتی سے ایسے لوگ نہ صرف ریاست میسور بلکہ برطانوی ہند میں بھی دیکھے جاتے ہیں جو اعلیٰ مراتب پر پہنچکر اس سیڑھی کو ٹھوکر مارتے ہیں جس پر چڑھ کر عہدے پائے تھے مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اپنے آپ کو آخری مالک و مختار ثابت کرنا آپ کے اختیار میں ہے بعض اوقات یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے نمائندے یا لیڈر یا وزیر خود غرضی اور طمع ترقی ذاتی کی وجہ سے ہمیں عین وقت پر دغا دیں اور نقصان پہنچائیں۔ لیکن ایک پُر زور اور یک زبان رائے عامہ سے بڑھ کر کوئی چیز موثر اور زبردست نہیں ہوتی۔ اور اس کے بل پر آپ اگر چاہیں تو ایسے لیڈروں کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اس قسم کے حالات دوسرے ملکوں میں بھی پیش آتے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے جو بیک وقت ایک نہیں، دو نہیں، تین نہیں مختلف فریقوں سے ساز باز کرتے ہیں اور اپنے قول و فعل کو حالات کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ ان اشخاص سے خبردار رہنا چاہیئے جب آپ تعلیم و تربیت اور تجربہ کے طفیل سچے لیڈر انتخاب کرنے کے اہل بن جائیں گے تو آپ کا آدھا کام تو اسی وقت آپ سے آپ ہو جائیگا۔

حضرات! ہندوستان اور ریاستہائے ہندوستان کے حالات حاضرہ اور ہماری زندگی کے کوائف موجودہ کا اقتضا تھا نیز اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کہ ہم ہر جگہ مسلم لیگ قائم کریں۔ چنانچہ ہمیں صاف طور پر اس حقیقت کا دیانتدارانہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہر فرقہ مجبور ہے کہ اپنے اغراض کی پاسداری کرے اور حفاظت کا انتظام۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارے

دونوں بڑے بڑے فرقے جذبۂ دوستانہ کے ساتھ تعاونِ باہمی سے کام نہ کریں۔ ریاست میسور میں جو آئینی تجربہ کیا جا چکا ہے اسے بدرجہ آخر اسی طرح کامیابی ہو سکتی ہے کہ مختلف فرقے ہم آہنگی اور باہمی تعاون سے کام کریں۔ فرقۂ اکثریت کو لازم ہے کہ اقلیتوں کے دل میں اپنے متعلق احساس اعتبار پیدا کرے۔ اور انہیں اپنی حفاظت اور سلامتی کا یقین ہو جائے۔ یہ ہے آئینی حکومت کا اصلی مگر شدید امتحان ــــــ!

حضرات! میرا پختہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے حق میں جناب مہاراجہ فی الحقیقت منصف اور ہمدرد ثابت ہوں گے۔ مَیں ان کی خدمت میں ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں۔ اور مسلمانانِ میسور کو نصیحت کرتا ہوں کہ تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کو انتہائی توجہ دیں اور اس میں اہلِ دیہات کا خاص خیال رکھیں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک جلسہ میں
۲؍نومبر ۱۹۴۱ء کو ارشاد فرمائی۔

خواتین وحضرات! میں مسلمانانِ علی گڑھ اور طلبائے یونیورسٹی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی احترام و الفت سے میرا خیر مقدم کیا۔ اس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی کیونکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آپ نے صرف مجھے ذاتی طور پر معزز فرما رہے ہیں بلکہ مسلم لیگ کے پروگرام اور حکمت عملی کی تائید و توثیق کرتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ دُنیا پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ لیگ کی پشت پر کتنی بڑی قوت موجود ہے مسلمانوں کے اصلی خیالات اور احساسات دُنیا کے سامنے لانے کے لئے ہم حتی الامکان کوشاں ہیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا کیا ہے؟ میں اس سال کے دوران میں دوسری بار علی گڑھ میں آیا ہوں۔ درمیانہ مدت میں کیا کچھ ہوا؟ میں اس کیفیت کو بڑے اختصار کے ساتھ پیش کروں گا۔ مجھے پامال اقوال کا تکرار منظور نہیں۔ مثلاً یہ کہ "آج کے نوجوان کل کے لیڈر ہوں گے" مگر آپ کو بطور اہل عمل بتاتا ہوں کہ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مستقبل قریب میں نوجوانوں کو ہماری

جدوجہد کے شدائد برداشت کرنے پڑیں گے۔

اولین اور اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آئینی تبدیلیوں کے ضمن میں ہماری حالت کیا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک طویل وقت تک وائسرائے بہادر کے ساتھ بار بار ملاقاتیں کرتا رہا۔ اور ہمارے مابین قول وقرار اور مذاکرات بھی ہوتے رہے اس کے متعلق مجلس عاملہ اور کونسل اور مسلم لیگ کے پورے اجتماع نے قراردادیں منظور کیں۔ مختصراً ہماری حالت یہ رہی ہے کہ جنگ کے خاتمے پر یا تو فی الفور یا بدئے حالات جس قدر جلد ممکن ہو ہندوستان کے سارے آئینی مسئلے کا از سر نو امتحان کیا جائے۔ حکومت برطانیہ کے اعلان مجریہ ۸ اگست سنہ ۱۹۴۰ء نے تمام وکمال آئین کے از سر نو امتحان کا فیصلہ کیا۔ یہ اعلان وزیر ہند کی تشریح وتوضیح کے مطابق صاف طور پر قرار دیتا ہے کہ "حکومت برطانیہ جبراً کوئی آئین ہندوستان پر عائد نہیں کرے گی اور اس ملک کی بڑی بڑی پارٹیوں کی رضا ورغبت کے بغیر کوئی آئین اختیار نہیں کیا جائیگا" اسکے یہ معنی ہوئے کہ یہاں تک تو ہمارا مطالبہ منظور کر لیا گیا کہ جبتک مسلمانوں کی منظوری اور قبولیت حاصل نہ کر لی جائیگی۔ کوئی نیا آئین ان پر چسپاں نہ کیا جائیگا۔ دوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے متعلق ہمارا رجحان کیا ہے۔ بلاشبہ ہم سب بڑے خطرے میں ہیں۔ چنانچہ مسلم لیگ نے اہل عمل کی طرح سوچا اور فیصلہ کیا کہ خود ہندوستان کے اغراض کا تقاضا ہے کہ جنگی کوششیں زیادہ پُر اثر بنائی جائیں۔ اور ہمیں بھی دفاع ملک میں حصہ دیا جائے اور اس میں ہماری رائے کو دخل ہو۔ اعلان اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں قرار دیا گیا تھا کہ سب بڑی بڑی پارٹیوں کے نمائندوں کو اختیارات حکومت

دے کر تدابیر جنگ میں شامل کیا جائے۔ مگر جب اس اصول کو عمل میں لانیکا وقت آیا تو اصل مقصد فوت ہو گیا۔ دوران مذاکرات میں جناب وائسرائے نے کچھ اس طرح فرمایا۔ "میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ میرے کابینہ میں کتنے اراکین ہوں گے۔ کتنے زائد ممبر لئے جائیں گے۔ ممبروں میں محکموں کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ کابینہ میں دوسری کون کون سی پارٹیوں کے ممبر آرہے ہیں۔ الغرض میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا سن لیجئے کہ آپ کو دو نشستیں دیتا ہوں" اس سے ہر شخص کو جو ذرہ برابر بھی عقل و ہوش رکھتا ہو صاف معلوم ہو جائیگا کہ ہماری پیشکش تعاون کی مطلق کوئی قدر نہ کی گئی اور کوئی وضعدار جماعت حکومت برطانیہ کی تجویز قبول نہ کر سکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ کانگرس شمولیت اختیار کرتی تو کابینہ میں مسلم لیگ اور اس کے دو نمائندوں کے اختیارات کی حیثیت کیا قرار پاتی؟ جب یہ سوال کیا گیا تو وائسرائے نے وہی جواب دیا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس پر میں پوچھتا ہوں کہ ہمیں فقط آلۂ کار ہی بنانا مدنظر تھا؟ یا ہمارا کام محض خانہ پری تھا؟ واضح ہو کہ کانگرس نے ابھی ستیہ گرہ کا آغاز نہ کیا تھا اور کوئی شخص نہ بتا سکتا تھا کہ اہل کانگرس کا رجحان کیا ہو گا اور نہ یہ کہ اگر حکومت اور کانگرس کے مابین شرائط طے ہو گئیں تو صورت حال کیا ہو گی۔ اندریں حالات مسلم لیگ کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ حکومت برطانیہ کی پیشکش قبول کرے۔

اگر کانگرس شمولیت اختیار کرتی تو بیرونی حملوں سے بچاؤ اور اندرونی ضبط و نظم کی ساری ذمہ داری زیادہ تر مسلمانوں پر عائد ہوتی۔ اندھوں کے

سوا ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کانگرس کے شامل نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ سب کے سب ہندو بحیثیت جماعت الگ رہے ہیں اور نو کروڑ مسلمانوں ہی کو سارا بوجھ اُٹھانا ہے۔ حکومت برطانیہ کی تجویز ایک جنگی معاہدہ تھا اور محض عہدے حاصل کرنے کا مسئلہ نہ تھا۔ اب سنئیے کہ اگر کانگرس شامل بھی نہ ہوتی اور کوئی براہ راست اقدام بصورت ستیہ گرہ وغیرہ کرتی تو صرف ایک اور پارٹی باقی رہ جاتی یعنی مسلم لیگ۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر ایسی صورت میں میں نے یہ مطالبہ کیا کہ نو ترتیب یافتہ کابینہ میں مسلم لیگ کے ممبروں کو اکثریت ہونی چاہئیے تو کیا غلطی کی۔ میں اب کھلے طور پر سب کو بتاتا ہوں کہ میں ہندوؤں کی شمولیت کا خواہشمند تھا تاکہ مسلمانوں سے مل کر حفاظتِ ہند کا کام کریں۔ اگر مسلمان ایک معاہدے کے ذریعے خطرے میں حصّہ لینے اور جان و مال دینے پر آمادہ ہوں اور کانگرس بھی شامل ہو تو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد یکساں ہونی چاہئیے یہ سوال محض تعداد کا بھی نہیں۔ بلکہ سوال ہے اختیارات اور ذمہ داری میں حصّہ لینے کا۔ جس سے میری مراد یہ ہے کہ موجودہ آئین کے دائرہ کے اندر رہ کر مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں نمائندگان ہند کو اختیارات حاصل ہوں، تاکہ جنگ کے متعلق کامیاب کام کیا جا سکے۔ اس پر بعض ذمہ دار حلقوں میں بھی یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ اس سے دو اقوام کے نظریۂ کی تشکیل اور تصدیق ثابت ہو گی مگر میرے نزدیک یہ ایک غلط خیال ہے۔ اس سارے معاملہ کو دو اقوام کے نظریئے سے دُور کا واسطہ بھی نہیں کیونکہ موجودہ آئین کے اندر رہ کر دُوسرے کی نو ترتیب یافتہ مجلس منتظمہ کا قیام کس قومی کابینہ کی طرح کیا جاتا تھا۔ جو

خاص ضرورت کے وقت کے لئے مرتب کیا جائے۔ اس کی بنیاد آزار شماری پر ہرگز ہرگز نہیں رکھی جا سکتی۔ اس میں انسانوں کی گنتی کو دخل نہیں، عاقل و فرزانہ کارکنوں کی ضرورت ہے۔ برطانوی کابینہ پر نگاہ ڈالیئے اس میں حزب العمال کے ممبران پارلیمان کی تعداد کے تناسب سے کہیں زیادہ وزیر ہیں۔ قوم کے ایک اور نازک وقت میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیرِاعظم کے کابینہ میں حزب العمّال کے صرف تین وزیر تھے۔ ان سب امُور کے باوجُود یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح خودغرض ہیں اور اپنے حق سے بڑھ کر جبراً لینا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نہ پراپاگنڈہ کرتے ہیں اور نہ ہمارے پاس روپیہ ہے اس لئے ہم کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر مخالفین کو واضح ہو کہ غلط بیانیوں سے کسی شخص کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

خواتین و حضرات! یہ تجویز بروئے کار نہ آئی اور برطانوی حکومت سال بھر سوتی رہی۔ پھر یکایک بیدار ہوئی۔ ۲۲ر جولائی ۱۹۴۱ء کو مجلس منتظمہ کی توسیع اور ایک نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے قیام کے فیصلہ کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے ہماری شدید مخالفت کے باوجُود ہمارے فیصلے کے خلاف یہ تدابیر اختیار کی اور ہم پر جبراً عائد کر دی۔ حکومت نے ہمارے بعض ممبروں کو اپنی تجویز میں شامل کر کے اس امر کی کوشش کی کہ وہ ہم سے الگ ہو جائیں۔ ان میں سے تین اراکین صوبائی وزیرِاعظم تھے۔ اور ان میں سے دو ہماری مجلس عاملہ کے ممبر بھی تھے۔ بہرحال آپ کو معلوم ہے کہ نتیجہ کیا ہُوا۔ مَیں خوش ہُوں اور ہمیں فخر حاصل ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک سبق سکھایا گیا اور ایک شرمں

سے خیر پیدا ہوئی ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلم ہند نے ثابت کر دیا کہ تمام مسلمان یکجہتی کے ساتھ مسلم لیگ کی پشت پر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ہمارے مخالفین یاد رکھیں گے کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ لیجئے اس داستان کا یہ باب یوں ختم ہوا۔

اب میں مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کے طریق عمل کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ حکومت نے مسلم ہند پر ایک نو تربیت یافتہ مرکزی حکومت عائد کر دی اور اس میں مسلم لیگ کی رائے کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ چنانچہ مسلم لیگ پارٹی بطور احتجاج مجلس سے نکل آئی۔ واضح ہو کہ کسی مخالف پارٹی کا یہ طریق عمل اختیار کرنا کامل طور پر آئینی ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ اس ملک میں دیگر امور فیصلہ طلب کیا ہیں سنئے! ممالک اسلامی کے متعلق برطانوی حکمت عملی سے ایک نازک صورتِ حالات پیدا ہو گئی ہے۔ آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے پچھلے جلسہ کی روداد پڑھی ہو گی۔ اگر حکومت برطانیہ نے مسلم مملکتوں کے متعلق اپنے ارادے پوری طرح سے واضح نہ کر دیئے اور اس امر کا یقین نہ دلایا کہ ہمیں مسلم ممالک کی ملوکیت اور آزادی کو نقصان پہنچانے اور خود فائدہ اٹھانے کا کوئی خیال نہیں تو بلاشبہ اس کے بعد انہیں مسلم ہند کو قابو میں رکھنا سخت مشکل ہو جائے گا۔

آپ نے ہندو لیڈروں کے بیان اور ہندو اخباروں کے مقالات پڑھے ہونگے۔ یہ لوگ بڑے شر انگیز اور خطرناک دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کا تباہ کن اثر خود ان پر ہوگا۔ پاکستان کے مخالفین حکومت کو کہتے ہیں کہ "اگر پاکستان وجود میں

آگیا تو آسام کی سرگوشی کی بازگشت "القرہ" اور "استنبول" سے آئیگی۔ اور پاکستان برطانویوں کے لئے زیادہ اور ہندوؤں کے لئے کم خطرناک ہے۔ اس لئے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم حکومتوں کو تباہ کیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پاکستان زمین میں دفن ہو جائیگا اور آپ ہندوستان پر حکومت کرینگے"۔ یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ ہمارے مخالفین کو اس امر کا احساس نہیں کہ اگر اسلامی مملکتیں تباہ ہو گئیں تو سارا ہندوستان ہمیشہ کے لئے برطانیہ کے زیر نگیں رہے گا۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء کا اعلان مسلمانوں کو حق تنسیخ قوانین و احکامات حکومت دیتا ہے۔ وہ طوطے کی طرح اس کی تکرار کرتے ہیں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا آئین عمل میں لایا جا سکے جس کی مخالفت نو کروڑ انسان کرتے ہیں؟ اوّل تو برطانوی حکومت اتنی احمق نہیں کہ صرف ہندوؤں کے مشورے سے بنایا ہوا آئین ہندوستان پر چسپاں کر دے۔ آخر کار اس آئین کو چلائے گا کون؟ اس کی پشت پر حکم کس کا ہو گا؟ اس کے عمل کی صورت کیا ہو گی؟ بلاشبہ اس کے سبب اختیارات کا ایک بہت بڑا حصہ منتقل ہو جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہونگے کہ برطانوی طاقت اور اختیار دور ہو گئے۔ پھر کون باقی رہا۔ ہندو۔ اختیارات قدرتاً اور بلا کوشش ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے مگر برطانوی حکومت تسلیم کرتی ہے کہ اس ملک کی قومی زندگی کا ایک بڑا جزو اور ایک اہم عنصر مسلم ہند ہے۔ پھر آپ مسلمانوں کی دلی رضا کے بغیر کس طرح ایک آئین حاصل کر سکتے ہیں؟

خواتین و حضرات! موجودہ صورت حالات کو مدنظر رکھ کر مسٹر گاندھی

کہہ چکے ہیں کہ "اس موقع پر فرقہ دارانہ اتحاد کے بغیر کوئی تحریک کرنا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے لیکن اگر ہماری قسمت میں خانہ جنگی لکھی ہے تو وہ حادث ہو کر رہے گی۔ بہرحال جہاں تک میں آگاہ ہوں یہ بات کانگرس کی دعوت یا خواہش سے نہ ہوگی۔"

میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کے یقین دلانے سے مسلم ہند کو بڑا اطمینان ہوگا (قہقہہ) مگر خانہ جنگی کا ذکر ہی کیوں کیا جائے؟ اور اہل عمل کی طرح اپنے دل و دماغ سے کیوں نہ کام لیا جائے؟ بات یہ ہے کہ اہل کانگرس ایک ایسے آئین کے لئے جھگڑ رہے ہیں جس میں سارے ہندوستان کو وحدانی وجود حاصل ہو اور مسلمانوں کے ساتھ محض بطور اقلیت سلوک کیا جائے۔ مگر مسلمان اسے کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم بچاؤ کر رہے ہیں۔ کسی پر حملہ نہیں کرتے۔ ہماری سفارش یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان اس ملک کی عنان حکومت ایک ایسے نظام کے ماتحت اپنے ہاتھ میں لیں جس پر ہم دونوں عمل پیرا ہو سکیں۔ ایسے نظام کو قائم رکھنے سے کیا حاصل جو پچیس[۲۵] برس تک ناکام ثابت ہوتا رہا ہے۔ ہماری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم دو مختلف اور متضاد اصولوں پر کاربند ہوتے رہے ہیں۔ جب دو لوں بھائی اکٹھے نہ رہ سکیں تو کیا کیا جاتا ہے؟ وہ جائداد تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں۔ ہم بھی تدبیر پاکستان کے ذریعہ یہی کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو تین چوتھائی ہندوستان ملے گا جس میں اکیس[۲۱] کروڑ انسان آباد ہیں۔ کیا یہ تقسیم منصفانہ نہیں؟ کیا ایسی تجویز کے سبب خانہ جنگی

ہو سکتی ہے ؟ میں فقط ایک حصّہ مانگتا ہوں، اور مسٹر گاندھی سارے کا سارا طلب کرتے ہیں۔ پھر کس کی خواہش سے خانہ جنگی ہو گی؟

خواتین و حضرات! ہندو لیڈر کیا کہتے ہیں؟ میں ایک سابقہ کانگرسی اور سابقہ وزیر یعنی مسٹر منشی کی ایک تقریر سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ "تدبیر پاکستان کے ماتحت ریاست ایک ملکی حکومت نہ ہو گی اور جو ایک ایسی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ نہ ہو گی جس میں تمام فرقوں کے نمائندے ہوں بلکہ ایک دینی حکومت ہو گی جس نے ایک خاص مذہب کے احکام کے مطابق حکومت کرنے کا عہد کیا ہو گا۔ اور اس طرح تمام لوگوں کو جو اس دین کے معتقد نہ ہوں حکومت میں حصّہ نہ ملے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی دینی حکومت کے ماتحت ایک کروڑ تیرہ لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو اقلیت کی حیثیت حاصل ہو گی۔ ۔ پنجاب میں ان ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہنا ہو گا اور پھر سارے ہندوستان میں یہ ایک کروڑ تیرہ لاکھ انسان اجنبی قرار پائیں گے۔"

خواتین و حضرات! آپ ہی بتائیے کہ یہ بیان ہندوؤں اور سکھوں کو برانگیختہ نہیں کر سکتا؟ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ ایک دینی ریاست ہو گی جس میں آپ کو کوئی اختیار حکومت حاصل نہ ہو گا۔ مسٹر منشی غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ اچھوت پن کو صرف ان کے مذہب اور ان کے فلسفہ میں دخل ہے۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات نہیں۔ اسلام ان

غیر مسلموں کے حق میں جو اس کی حفاظت میں رہتے ہوں علمبردار ہے، انصاف کا۔ مساوات کا۔ اور راست بازی اور بے تعصبی کا، بلکہ فیاضی کا بھی۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہوں گے اور ریاست کے شہری سمجھے جائیں گے۔ (نعرۂ تحسین)

خواتین و حضرات! ہندوؤں نے اٹلانٹک چارٹر (سند اوقیانوس) سے بہت فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر بے سُود۔ وہ شکایت کرتے ہیں کہ "ہندوستان اس سند سے خارج ہے" واہ کیا مصیبت آئی۔ یہ لوگ برطانوی حکومت سے اس سند کے ماتحت ایک تازہ اعلان طلب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر یہ بات ہو گئی تو مصیبت دور ہو جائیگی۔ مگر کوئی بھی اعلان ہو اس سے فائدہ ہی کیا ہوگا۔ جہاں تک مسلم ہند کو دخل ہے ہم نے اپنی سند خود مرتب کر لی ہے اور اس کا نام ہے "پاکستان" (نعرۂ تحسین) اور ہم اس سند کے متعلق واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے مخالفین اس غلط خیال کو دل سے دور کر دیں کہ پاکستان سے ہمارا مقصد سودا بازی ہے یا یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس قسم کے نتائج اور ایسے معانی قطعاً بے معنی ہیں۔ غیر ممالک میں بھی یہ پروپاگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ اختیارات چھین لینے کے لئے حیلہ بازیاں کر رہی ہے۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۳۹ء میں کہا کہ مسلم لیگ اپنے آپ کو سب سے بڑھ کر بولی دینے والے کے ہاتھ بیچنا چاہتی ہے۔ یہ ایک

قابل ملامت مجھوٹ ہے۔ ہم اس مقام سے جہاں ہم پہنچے ہیں ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹنے کے لئے تیار نہیں کوئی چیز ہمیں اپنے مقصود سے متزلزل نہیں کر سکتی ہمارا عزم راسخ ہے کہ ہم اپنے اغراض و مفاد کی حفاظت کریں۔ اور ہم دوسروں سے علیحدہ رہ کر یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔

(دیر تک نعرۂ تحسین)

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے یومِ پاکستان کے اجلاس منعقدہ اُردو پارک دہلی میں
۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو ارشاد فرمائی۔

"اس جلسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسلمانانِ دہلی نے قائدِ اعظم کی خدمت میں چار ہزار روپیہ کی یکمشت رقم پیش کی۔ یہ نذر اس اپیل کا عملی جواب تھی جو صرف دو روز پہلے ۲۱ مارچ کو قائد اعظم نے چندے کی اپیل کے لیے شائع کی تھی۔ اس قلیل وقت میں اتنی بڑی رقم کا جمع کر لینا اسلامیان دہلی کی ہمت کا ثبوت ہے۔ قائد اعظم نے اپیل میں یوں ارشاد فرمایا تھا ——— "آپ جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا ایک شدید پریشانی میں مبتلا ہے۔ آتش جنگ جو پہلے یورپ میں لگی اب کرۂ ارض کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں پھیل گئی ہے اور اس کے شعلے ہندوستان کے دروازوں اور حدود تک پہنچ گئے ہیں۔ دنیا کا نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے اور باقی سب اقوام کی طرح ہم کو بھی ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے جن سے ہماری زندگی تک کو سخت خطروں کا اندیشہ ہے اس لئے ہمیں ان تمام اشد ضرورتوں اور نازک حالتوں سے جو آئندہ پیدا ہوں حوصلہ اور

ہمت، سکون خاطر، خود اعتباری اور قوتِ برداشت کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کیلئے تیار ہونا چاہیئے۔

پانچ سال ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اسلامیانِ ہند کے احیاء کا آغاز ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمان تشنج زدہ بے سکت نہیں رہے۔ آخر کار انہوں نے بیسیوں برس کی بےحسی سے چھٹکارا پالیا ہے اور ہلاکت آفرین نیند سے بیدار ہو گئے ہیں۔ میں نہایت مسرت سے کہتا ہوں کہ اس قلیل مدت میں ہم نے راہ ترقی کا اچھا خاصا فاصلہ طے کر لیا ہے مگر اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے ابھی ہم کامل اور موثر تنظیم سے بہت دور ہیں۔ پاکستان کی منزل تک رسائی ہنوز نہیں ہوئی۔

آج تک ہم نے چندہ جمع نہیں کیا اور جس طرح بن آیا ہے اپنے غریبانہ مالی وسائل سے کام نکالا۔ میں آج پہلی بار دلی خواہش اور سنجیدگی کے ساتھ ہر امیر غریب مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے مقدور کے مطابق آل انڈیا لیگ کو چندہ دیں تاکہ اس کے پروگرام اور حکمت عملی اور اغراض مقاصد کو بارآور بنانے کے لئے ہمیں بیش از بیش توفیق کار حاصل ہو اور ہم اپنا مقدس فرض ادا کر سکیں۔ یعنی اسلامی ہند کے اغراض کی حفاظت کر سکیں۔ اور ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی طبقوں میں جو ہمارا وطن ہیں پاکستان قائم کریں۔

میں چندہ جمع کرنے کے بہت سے طریقوں پر پورا غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ جو لوگ ہمیں مذکورہ اغراض کے لئے مدد دینا چاہیں،

ان کے لئے بہترین طریق یہ ہوگا کہ اپنا چندہ براہ راست مجھے بھیج دیں۔ مَیں انتہائی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کے دل میں یقین پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری تاریخ میں موجودہ وقت نازک ترین زمانہ ہے۔ اور اگر ہم پُورے طور پر مسلح، ہوشیار، اور عامل نہ ہُوئے تو ہماری راہ ترقی میں سخت رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے اور ایسی رکاوٹ جس پر ہم کبھی غالب نہ آ سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری اپیل رائگان نہ جائے گی۔ اسلام توقع رکھتا ہے کہ ہر مسلمان اپنی قوم و ملت کے حق میں اپنا فرض ادا کرے گا"۔۔۔۔۔ جلسہ مذکور بہت کامیاب رہا۔ پچاس ہزار مسلمان حاضر تھے جو پہلے بشکل جلوس شہر میں چکر لگا کر جلسہ گاہ میں آئے تھے۔۔۔۔۔ اب تقریر ملاحظہ ہو:"

حضرات! مَیں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہُوں کہ ہندوستان کی دیگر پارٹیوں سے کہیں زیادہ استقلال کے ساتھ مسلم لیگ آزادیٔ ہند کی مؤید ہے۔ ہم انصاف اور راست بازی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہماری یہ خواہش نہیں کہ دوسرے فرقوں کے حقوق تلف کر کے ان سے خود فائدہ اٹھائیں۔ ہم اس ملک میں ایک آزاد اور خود مختار قوم کے طور پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

حکومت برطانیہ کے وکیل اور نمائندہ سر سٹیفورڈ کرپس کے خاص فرضِ منصبی کے متعلق میں مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ آپ صبر و تحمل سے کام لیں اور ملک معظم کی حکومت کی تجاویز کا انتظار کریں۔ مَیں آپ کو یقین

دلاتا ہُوں کہ اگر اس کی مجوّزہ تدبیر مسلمانوں کے اغراض کے منافی ہُوئی تو ہم صرف اسے قبول نہیں کریں گے بلکہ اپنی طاقت کے ساتھ اس کی مزاحمت کریں گے یہاں تک کہ اگر اس کوشش میں جان بھی دینی پڑے تو اسے قربان کر دیں گے۔ میں حکومت کو متنبّہ کرتا ہُوں کہ ہمارے خلاف کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جس کا مقصد مسلم لیگ کو دبانا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا ہو۔ مسلمانوں کو یہ خوف ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس کانگرس کے دوست ہیں۔ وہ انند بھون میں پنڈت جواہر لال نہرو کے مہمان رہے۔ یہ بات درست ہے مگر ہمیں محض اس سبب سے خوف زدہ نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کا دل نہ بیٹھے۔ آپ بے حوصلہ نہ ہوں میں واضح کرتا ہُوں کہ صاحب موصُوف یہاں شخصی حیثیت سے نہیں آئے۔ وہ حکومتِ برطانیہ کے نمائندہ ہیں اس لئے جو تدبیر پیش کریں گے برطانیہ کی ہوگی اور جب تک وہ ہمارے سامنے آئے صبر سے کام لینا ہوگا۔ پھر بھی یہ اطمینان رکھیں جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا کہ اگر تدبیر برطانیہ کسی طرح بھی مسلمانوں کے اغراض کے خلاف ہوئی تو منظور نہیں کی جائے گی۔ ہم مزاحمت کریں گے اور اگر مزاحمت دبانے کے لئے مسلم لیگ کے خلاف کوئی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہ ہے ہماری تنبیہ حکومت کو۔

حضرات! سر سٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس کے سامنے اپنے بیان میں اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے دل میں سخت تشویش موجُود ہے اسے دور کرنا لازم ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ ہم

خوف زدہ نہیں ہیں۔ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے۔ ہم محض انصاف طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم راست باز ہیں اور دوسروں کے حقوق پر چھاپہ مارنے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہم سے بھی سلوک کیا جائے اور ہم جو ایک قوم ہیں نہ کہ اقلیت آزادی اور خود مختاری کے ساتھ اس ملک میں رہیں۔

حضرات! اس وقت جب کہ جنگ زوروں پر ہے ہمیں حکومت برطانیہ کو تنگ کرنا اور بے کار کشمکش میں ڈالنا منظور نہیں کیونکہ ہم اصل صورت حالات سے آگاہ ہیں۔ مگر ہم اس امر کے لئے بھی تیار نہیں کہ اصل لشکر کے خدمت گاروں کی طرح حکومت برطانیہ کی مدد کریں۔ ہم نے یہ حالت کبھی قبول نہیں کی اور نہیں کریں گے۔ ہم دوسرے فریقوں سے بڑھ کر آزادی کے علم بردار ہیں۔

حضرات! میں کہتا ہوں کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اور اپنا فیصلہ اس وقت تک محفوظ رکھنا چاہیئے جب ہمیں معلوم ہو کہ سر سٹیفورڈ کرپس کس نتیجہ پر پہنچے ہیں، اور برطانوی حکومت کی آخری اور منصفانہ تجویز کیا ہے؟ لیکن اگر برطانوی حکومت کی تدبیر یا موجودہ مسئلے کا حل مسلمانوں کے حق میں مضر ہوا اور ہمیں مزاحمت کرنی پڑی تو ہم بہر حال تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے کہا لڑ مرنے کو حاضر ہیں۔ ہم مزاحمت کریں گے اور ضرورت ہوئی تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے (نعرۂ تحسین) واضح ہو کہ اگر برطانوی حکومت نے یا ہندو لیڈروں نے

الگ الگ یا مل کر یا دونوں میں سے کسی ایک نے حیلہ سازیوں یا سازشوں سے کام نکالنا چاہا تو ہم لڑیں گے تا آنکہ سب کے سب مرجائیں گے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آج کل کانگرس کے مسلمان گماشتوں اور حکومت کے مسلمان ایجنٹوں کے ہاتھوں مسلم لیگ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ لوگ کانگرس کے غلام ہیں اور برطانوی شہنشاہیت کے مددگار۔ ان کو کسی نہ کسی طرح ہندو اخبارات میں اپنے فریب کارانہ خیالات کے اظہار اور پراپگنڈہ کا موقع مل جاتا ہے۔ مَیں ایسے مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتا، جو دشمن سے جا ملے اور ہماری پیٹھ پر خنجر مارے۔ میری رائے میں مسلمانوں اور مسلم لیگ میں اختلاف پیدا کرنے اور تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ صرف بے کار ہے بلکہ ایک بیہودہ کھیل کے برابر ہے کیوں کہ آپ حضرات نے دُنیا کو یہ ثبوت دے دیا ہے کہ مسلم لیگ اور محض مسلم لیگ سارے مسلمانوں کی نمائندگی کی مجاز ہے۔

حضرات!

ہمارے دشمنوں کے مخالفانہ پراپگنڈہ نے ہمارے خلاف یہ تہمت تراشی ہے کہ ہم مسلمان برطانوی شہنشاہیت کے مؤید ہیں۔ یہ سخت جھُوٹ ہے۔ یہ ہماری توہین ہے ہمیں ملزم ٹھہرانے والے لوگ اپنے جھُوٹ سے خود بھی بخوبی واقف ہیں۔ مَیں نے اپنی ساری زندگی میں اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دی کہ ہم اس ملک کے

اندر کسی غیر ملوکیت کے فرماں بردار ہوں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس لائل پور
میں ۱۸ نومبر ۱۹۴۲ء کو ارشاد فرمائی۔

دورِ حاضر کے سیاسی کوائف میں لائل پور کانفرنس کے انعقاد اور قائدِ اعظم کی تقریر دل کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس موقع پر اسلامیان پنجاب کے پہلے وزیرِ اعظم سر سکندر حیات خاں نے اپنی زبان سے ان شکوک کا دفعیہ کیا جن کا اظہار گذشتہ گاہے گاہے کیا جاتا رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سر سکندر تجویز پاکستان کے مخالف ہیں مگر لائل پور کانفرنس میں سر سکندر نے اقرار کیا کہ جب مسلمان متحدہ طور پر کوئی فیصلہ کسی معاملے کے متعلق کر لیں تو میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ تجویز پاکستان کے متعلق جملہ اسلامیان پنجاب یک زبان ہیں۔ بہر حال سطور ذیل میں سر سکندر کی تقریر کا خلاصہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ اہل نظر خود دیکھ لیں گے کہ مقرر کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ علاوہ ازیں سر سکندر کا بیان پڑھ لینے کے بعد یہ بھی واضح ہو گا کہ قائد اعظم اپنی دوسری

تقریر میں کس کس امر سیاسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

سر ناظم الدین سابق وزیر حکومت بنگال نے کانفرنس مذکور کی صدارت کی یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب قائداعظم جین کے ہمراہ سر ناظم الدین اور نواب افتخار حسین پریذیڈنٹ پنجاب مسلم لیگ تھے لائل پور میں تشریف لائے تو ریلوے اسٹیشن پر ان کا شاندار استقبال بلکہ بقول قائداعظم شاہانہ استقبال کیا گیا۔ اس وقت مقامی لیگ اور صوبائی لیگ کے ممبروں اور پنجاب اسمبلی کے بہت سے مسلم اراکین کے علاوہ بعض حکام بشمول ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر عبدالرحیم موجود تھے۔

۱۸ ر نومبر کے روز ایک لاکھ سے زیادہ بندگان خدا کے اجتماع کے سامنے قائداعظم نے پنجاب پراونشل لیگ کانفرنس کے پنڈال میں لیگ کا جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی اور جونہی جھنڈا بلند ہوا۔ قائداعظم پر چاروں طرف سے پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ اور انہوں نے ایک تقریر ارشاد فرمائی۔

اس کانفرنس کا انعقاد غنیمت سمجھ کر بعض جماعات نے قائداعظم کی خدمت میں الگ الگ سپاس نامے پیش کیے۔ ان کے جوابات قائداعظم کی تقریر میں شامل ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم قائداعظم کی تقریریں تحریر کریں سر سکندر کی مذکورہ تقریر کے وہ فقرات اسی تمہید ہی میں لکھتے ہیں۔ جن کے مطالب کی بابت قائداعظم نے اشارہ کیا۔

سر سکندر نے فرمایا "میں خلوص دل سے قائداعظم کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و

کرم سے قائدِ اعظم کو اسلامیانِ ہند کی تنظیم اور اتحاد پر مامور کیا۔ میں اپنے اور مسلم لیگ کے باہمی تعلقات کے ضمن میں کہونگا کہ بعض اوقات طرفین کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس لئے ہم ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ مگر جب ایک قطعی فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو مَیں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہوں۔ ایسا وقت کبھی نہیں آیا کہ مَیں نے اپنی قوم کے اغراض پر دوسروں کو ترجیح دی ہو۔ یہ بات ممکن ہے کہ بعض اوقات میں قائدِ اعظم کے حکم کو مسلمانوں کے اغراض کے منافی سمجھوں۔ مگر اس صورت میں ہم آپس میں بحث کریں گے اور دونوں میں سے ایک اپنی رائے میں ضرور تبدیلی کر دے گا۔ اگر مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا ہوگا تو اس کے خلاف لڑنے کے لئے میں سب سے پہلے میدان میں نکلوں گا۔ پانچ سال ہوئے کہ مسلم لیگ میں اس امر کا ثبوت دینے کے لئے شامل ہوا کہ قائدِ اعظم تنہا نہیں ہیں۔ اور جب سے اب تک مَیں اس حالت پر قائم ہوں۔ قراردادِ پاکستان کا مطلب یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں اقلیتوں کو تحفظات دئیے جائیں گے۔ اور ان کو لازم ہے کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ آج کل پنجاب میں ہم ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں سے بہتر سلوک کر رہے ہیں۔ اور اگر پاکستان کے قیام کے بعد ہندوؤں کی تسلی نہ ہو تو ان کو علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہوگا۔ اہلِ برطانیہ ہمیں اس وقت تک کچھ بھی دینے کے لئے تیار نہیں جب تک ہم باہمی رضامندی کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر لیں۔

اگر ہم بھائیوں کی طرح اپنے اختلافات دور کر دیں تو یہ عین مناسب ہوگا"

اب قائداعظم کی تقریریں ملاحظہ ہوں۔ آپ نے جھنڈا لہرانے کے وقت فرمایا ــــــ

"حضرات! لائل پور نہ صرف اس وقت پنجاب کا ایک بہت بڑا شہر ہے بلکہ پاکستان کے قیام کے بعد بھی ایسا ہی شاندار شہر ہوگا۔ میں نے آج مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمام مسلمان پوری یکجہتی اور استقلال کے ساتھ اس کے نیچے کھڑے ہونگے۔ میں بہت سی تقریریں کر چکا ہوں اور ہر شخص آگاہ ہے کہ یہ جھنڈا کس چیز کا علمبردار ہے۔ حضرات! آپ نے جس جوش و خروش اور خلوص کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ اگرچہ آپ نے میرا شاہانہ استقبال کیا مگر میں اس کے عوض محض ایک چیز دے سکتا ہوں یعنی "کامل یکسوئی کے ساتھ قوم کی خدمت" مجھے یقین ہے کہ آپ سب اپنا وہ سب کچھ خرچ کر دیں گے جو ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچائے۔"

کانفرنس کے اجلاس میں قائداعظم نے فرمایا:۔

"پنجاب میں پاکستان کے متعلق جو تازہ ترین تجویز نشر کی گئی ہے اور جس میں اس صوبے کے تمام فرقوں کے لئے حکومت خود اختیاری کا حق تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی ہے سراسر مفسدانہ ہے۔ یہ ایک فتنہ انگیز خیال ہے۔ پاکستان کے مخالفوں کی یہ آخری کوشش ہے۔ اور وہ لوگ جو اس تجویز کے ذمہ دار ہیں لوگوں کو ارادتاً گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرات! میں آپ سب کو اور ان جماعات کو بھی جنہوں نے اپنے اپنے طور پر مجھے مخاطب کیا ہے بتاتا ہوں کہ ملکی آئین کے نکتہ نگاہ سے وہ تجویز جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا حماقت کا مجسمہ ہے کیونکہ کوئی فرقہ ایک آزاد مملکت نہیں بنا سکتا، تاوقتیکہ وہ ایک قوم کی حیثیت رکھتا ہو اور بطور اکثریت ایک قطعاً واضح اور متمیز حدود میں بود و باش رکھتا ہو۔

میں اپنے ہندوستانی عیسائی بھائیوں کی خدمت میں ان کے اظہار خیال کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ پاکستان کے اندر ان کے حقوق کی کامل حفاظت کی جائے گی۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف اور راستبازی کا سلوک روا رکھیں۔ (نعرۂ تحسین)

حضرات! میں اپنے اچھوت بھائیوں کے خطاب کے جواب میں کہتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات میں ان کی حالت تہذیب کے چہرے پر ایک سیاہ دھبے کے برابر ہے۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہمیشہ ان کے اغراض و مقاصد کی پاسداری میں کوشاں رہوں گا۔

حضرات! آج طلبا نے اپنے طور پر مجھے مخاطب کیا ہے۔ میں ان کو بتاتا ہوں کہ آپ سب نوجوان میرے ہیں اور میں آپ کا۔ پس آئیے، میں اور آپ ہم قدم ہو کر آگے بڑھیں۔ پھر ہم ضرور فتح پا لیں گے۔

حضرات! اس وقت جب کہ میں پنجاب مسلم لیگ کانفرنس کا افتتاح کر رہا ہوں۔ مجھے اسلامیان پنجاب سے بہت کچھ کہنا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ پنجاب میں حیات تازہ متحرک ہے۔ آپ کی مدد شامل ہو گی۔ تو دنیا کی کوئی

طاقت بھی اپنے اس مقصد کے حصول سے ہمیں نہ روک سکے گی جس کا ہم اعلان کر چکے ہیں۔

مسلم لیگ روز بروز بیش از بیش ترقی کر رہی ہے۔ اس وقت تک اسلامی اکثریت کے صوبوں کے اندر وہاں کے مسلمان آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ صوبے ہیں جن کو پاکستان کے قیام سے باقی سب کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل ہوگا، مگر اب یہ تنازعات ختم ہو گئے ہیں اور صورت حالات بدل گئی ہے یعنی اب اسلامیان پنجاب کی تمام جماعتیں ایک ہی جھنڈے۔ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے یکجہتی کے ساتھ جمع ہو گئی ہیں اور وہ سب کے سب پورے اتفاق سے ہم خیال اور ہم زبان ہیں۔

حضرات! میں بہت خوش ہوں کہ اب پنجاب کے تمام عام مسلمان مسلم لیگ کے معین و مددگار ہیں۔ مجھے اہل دیہات کی غربت اور افلاس دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے۔ میں نے دوران سفر میں جب ریلوے اسٹیشنوں پر پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کے گروہ دیکھے تو مجھے ان کی غربت نے بیحد مشوش کیا۔ میرے خیال میں حکومت پاکستان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے اور ان کو لطف حیات سے شادکام ہونے کے لئے سامان بہم پہنچائے۔

حضرات! میں اب ختم کلام کے وقت اس امر کی ضرورت انتہائی تاکید کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کو باہمی اتحاد پیدا کرنا اور کامل طور پر منظم ہونا چاہیئے۔ پانچ سال ہوئے کہ ہم بدنظمی کا شکار ہو رہے تھے۔ کسی شخص اور

کسی جماعت کے نزدیک ہم قابل اعتنا نہ تھے۔ ہماری پرواہ کسی کو نہ تھی۔ کانگریس کا دعویٰ تھا اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک خاص حد تک یہ دعویٰ بجا تھا کہ ملک میں صرف دو پارٹیاں ہیں۔ یعنی خود کانگرس اور حکومت برطانیہ مگر اب تین پارٹیاں ہیں وہ تیسری پارٹی مسلم لیگ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ہم مسلمان ایک تنظیم یافتہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی کو اس امر کی جرأت نہیں کہ ہمیں نظرانداز کر دے۔ اب مسلم لیگ اس ملک کے اندر ایک بیّن اور مستحکم طاقت ہے۔ مسلم لیگ اسلامیانِ ہند کے ایک گروہ کو کانگرس کے نرغے سے مخلصی دلا چکی ہے اور ایک اور گروہ کو برطانوی دفتری حکومت کے پنجے سے چھڑا لائی ہے اور پھر اس نے ان کو اور باقی سب مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لیا ہے۔ الغرض اپنی تنظیم کرو تنظیم! ہاں تنظیم! تنظیم!! تنظیم!!!۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے پریس کانفرنس نئی دہلی میں ۱۴ ستمبر ۱۹۴۲ء
کو ارشاد فرمائی۔

یہ پریس کانفرنس ۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو اتوار کے دن مسٹر جناح کی قیام گاہ نئی دہلی پر منعقد ہوئی۔ اس میں تقریباً تمام انگریز۔ امریکی۔ چینی اور ہندوستانی نامہ نگار شریک تھے۔

حضرات! ابتدائی حکومت کی نسبت کانگریس نے جو مطالبات پیش کر رکھے ہیں ان کے متعلق مسلم لیگ کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کرتے ہوئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہمارے ساتھ تسلی بخش مفاہمت کر لی جائے تو میں منتقل کیے جانے والے اختیارات پر کوئی پابندی عائد نہیں کروں گا۔ مگر اس کے لئے قطعی شرط یہ ہے کہ تمام جماعتیں متفق ہو کر مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی ضمانت دیں اور وعدہ کریں کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کے فیصلہ کی تعمیل کی جائے گی۔ اور اس پر عمل کرتے ہوئے ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر اس شرط سے گریز کیا گیا اور ابتدائی حکومت موجودہ آئین کے دائرہ سے باہر ان اصولوں پر مرتب کی گئی جن کے لئے بعض اہم حلقوں

میں اصرار کیا جا رہا ہے، تو یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری مثال اس مکھی کی مانند ہو گی جو خود اڑ کر مکڑی کے جالے میں پھنس جائے۔ اور یہ اس لئے کہ اگر ابتدائی حکومت موجودہ آئین کے دائرے سے باہر مرتب کی گئی تو اس صورت میں بنیادی آئینی تبدیلیاں لازم ہو جائیں گی۔ اور ایک بار واقعہ ہونے کے بعد ان تبدیلیوں کا بعد جنگ کالعدم کرنا دشوار —— بلکہ ناممکن ہو گا۔

اصل مقصد یہ ہے کہ ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ جنگ کے ہنگامی حالات کے زیر اثر ہم کو ایسی نوعیت اور ہیئت کی حکومت ترکیب دینے پر مجبور کیا جائے جو مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کے سراسر خلاف ہو یا اس کو نقصان پہنچائے۔

ایک نامہ نگار، مسٹر چرچل کی تازہ تقریر کے متعلق آپکی کیا رائے ہے۔

مسٹر جناح۔ مسٹر چرچل کا یہ بیان بالکل درست ہے کہ کانگرس نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔

کانگرس کی نئی تحریک کے متعلق میں اس سے پہلے اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔ ہمارا ضمیر جس کی تائید نہ کر سکے اس کو بجا قرار دینا ممکن نہیں۔ میں یہ پورے زور سے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ جنگ انگریزوں اور حکومت کے خلاف نہیں بلکہ مسلم لیگ ہندوستان اور دیگر غیر کانگرسی جماعتوں کے خلاف ہے۔ کانگرس نے ان جماعتوں کے اختلاف رائے کو سراسر نظر انداز کر کے اپنے ان مطالبات کو منوانے کے لئے سول نافرمانی کی تحریک شروع

کر دی، جن کی مخالفت مسلم لیگ، اور ملک کی دوسری اقلیتوں کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ کانگرس نیشنلزم کی آڑ میں انگریزوں سے مطالبہ کر رہی ہے کہ ملک میں ہندو دیت قائم کرنے کے لئے تمام اختیارات اس کے حوالے کر دیئے جائیں۔ یہاں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کانگرس کی یہ تحریک خلاف قانون اور غیر آئینی ہے، کیونکہ اس کا مقصد آئین کی رو سے قائم شدہ حکومت کا تختہ الٹنا ہے۔ لیکن اس تحریک کے خلاف ایک بڑا اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ ایک خونیں خانہ جنگی کا اعلان ہے۔

ایک نامہ نگار:۔ مسٹر چرچل کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کانگرس اہم جماعت نہیں۔

مسٹر جناح۔ مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔ میری فہم میں مسٹر چرچل کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کانگرس کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ صرف وہی تمام ہندوستان کی نمائندہ ہے۔ میرے نزدیک ہر انصاف پسند شخص یہ تسلیم کرے گا کہ کانگرس کا اس قسم کا دعویٰ نمائندگی سراسر بے بنیاد ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس بمبئی میں گاندھی جی نے اپنی آخری تقریر میں اس دعویٰ پر بہت زور دیا ہے اور پنڈت نہرو نے بھی ایسا ہی کیا ہے بلکہ مسلم لیگ کو رجعت پسند بنا کر یہ بھی کہا ہے کہ مسلم عوام کانگرس کے ساتھ ہیں اور کانگرس ہی تمام ہندوستان کی نمائندہ ہے۔

ایک نامہ نگار۔ کانگرس کل ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کرتی۔

مسٹر جناح۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن جب تک

کانگریس ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتی رہے گی اور جب تک ہندو لیڈر جو بلا واسطہ یا بالواسطہ اس نامعقول روش پر قائم رہیں گے آپ یقین کیجئے کہ اُن کے ساتھ آبرومندانہ مفاہمت کا کوئی امکان نہیں۔

امریکی نامہ نگار۔ کیا آپ اس امر کا امکان پاتے ہیں کہ ہندوستان کے سر کوئی غیر آبرومندانہ فیصلہ ٹھونپ دیا جائے۔

مسٹر جناح۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ مجھے اس کا اندیشہ ہے۔ تاریخ میں ایسے بہت واقعات ہیں کہ نہائیت مہذب قوموں نے غیر آبرومندانہ اقدامات روا رکھے۔

جہاں تک ہندو مہاسبھا کا تعلق ہے میرے نزدیک کانگریس اور ہندو مہاسبھا ایک ہیں۔ بلکہ ہندو مہاسبھا مسلمانوں کی مخالفت میں زیادہ سخت ہے۔ اور اس امر کے لئے تعریف کی مستحق ہے کہ اپنی مخالفت پوشیدہ نہیں رکھتی۔ وہ کانگریس کی طرح عیاری اور پردہ داری سے کام نہیں کرتی۔ بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں اعلان کرتی ہے کہ اس کا مقصد ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے۔ مسلمانوں کو ہندو راج کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ ورنہ ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے گا جو جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک نامہ نگار۔ کیا میں اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں کہ کل تک گاندھی جی سے آپ کی جو گفت و شنید ہوئی تھی وہ چنداں کامیاب نہیں ہوئی۔

مسٹر جناح۔ میں اس گفت و شنید کو بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ حقیقت

ہے کہ جب حالات مجبور کرتے ہیں تو بڑے بڑے فتنہ پرداز اور غیر محدود حرص رکھنے والے بھی معقولیت پسند بن جاتے ہیں۔

ایک نامہ نگار۔ مسلمانوں کے مطالبہ میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے؟

مسٹر جناح۔ اگر کوئی شخص روپیہ میں سولہ آنے کا مطالبہ کرے تو اس میں حجت ہو سکتی ہے۔ لیکن مسلم لیگ نے کبھی ایسا مطالبہ نہیں کیا جسے کوئی معقول آدمی نامعقول بتا سکے۔ مسلم لیگ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی آزادی چاہتی ہے۔ ہندوؤں کے پاس ہندوستان کا تین چوتھائی حصہ موجود ہے۔ اور یہ ہندو وہی ہیں جو باقی ¼ پر قبضہ کرنے کے لئے سودا بازی کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس سے بھی محروم کر دیں۔

کوئی قوم حق خود ارادیت کے مسئلہ میں دب کر سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ یہ ہر قوم کا پیدائشی حق ہے اور اس سے انکار کرنا اس قوم کی ہستی سے منکر ہونا ہے۔

امریکی نامہ نگار۔ کیا آپ ان لوگوں کے ساتھ ابتدائی حکومت قائم کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے جو آپ کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہتے ہیں؟

مسٹر جناح۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے اختیار میں ہے کہ ۱۰ اورنگ زیب روڈ (قیام گاہ مسٹر جناح) سے جب چاہوں وائسرائیگل لاج پہنچ جاؤں اور کہوں کہ میں حکومت بنانے لگا ہوں؟ سوال یہ ہے کہ قومی حکومت کیسے بنے گی اور اسے کون بنائے گا؟ کیونکہ برطانیہ نے کانگریس کے سوا ہر ایک پارٹی کو کلیتہً نظر انداز کر دیا۔ پچھلے دنوں اخبار "ٹائمز" نے

لکھا تھا کہ ایسا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا جس میں کانگرس کو نظر انداز کر دیا جائے۔

میں اس بیان سے ہرگز متفق نہیں ہوں۔ نیز ان حالات اور واقعات کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ برطانیہ اس روش پر قائم ہے کہ ایک طرف کانگرس کے مطالبات کو ناقابل قبول ٹھہرایا جائے اور دوسری جانب یہ کہا جائے کہ جب تک کانگرس سے سمجھوتہ نہ ہوگا کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ میں برطانیہ کی اس رَوِش پر سخت معترض ہوں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برطانیہ اس پارٹی کے اشارہ پر چل رہا ہے جس کا مطالبہ مسلمہ طور پر ناقابل قبول ہے۔

ایک نامہ نگار۔ مخلوط ابتدائی حکومت کے متعلق اپنے نظریے کی وضاحت کیجئے۔

مسٹر جناح۔ ابتدائی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو دورانِ جنگ میں خاص مقصد سے قائم کی جائے۔ میں اس سے کسی جماعت کو خارج نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ خود کو خارج نہ کرلے میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ فلاں جماعت حکومت سے خارج رہے گی۔ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ اگر ہم ذمہ داری لینا چاہتے ہیں تو اس امر کی کوشش کریں گے کہ ہر جماعت اور طبقے سے امداد اور تعاون حاصل کریں۔ جب تک کوئی شخص یا جماعت حصول تعاون کو ناممکن نہ بنادے۔

مسلم لیگ ضدی یا بدخواہ نہیں۔ مگر ایسے حالات میں جب کہ

لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ملکی حکومت میں ان کی رائے کو کچھ دخل نہیں یا ہم گرم جوشی سے مکمل اور مخلصانہ امداد نہیں دے سکے۔

گزشتہ تین برس میں حکومت برطانیہ کی جو روش رہی، ہم اُس کی خواہ کتنی ہی مذمت کریں۔ بہرحال ہم پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ خربوزہ چھری پر گرے تو خربوزہ کا نقصان اور چھری خربوزے پر گرے تو بھی خربوزے کا نقصان۔ فرض کیجئے کہ تلخی اور غصّہ کی بنا پر کل میں اعلان کردوں کہ حکومت کو تنگ کرو اور اس کے ساتھ موالات چھوڑ دو تو جتنی پریشانی اب ہے اس سے پانچ سو گُنا بڑھ جائے گی۔

یہ بندوقوں اور اسلحہ کا سوال نہیں۔ ہندوستان میں ہر ایک ذی فہم آدمی آپ کو یہ بتا سکتا ہے کہ مسلمان پانچ سو گنا زیادہ حوصلہ رکھتے ہیں مَیں ہندوؤں پر کوئی طعن نہیں کرنا چاہتا۔ یہ مزاج کی افتاد اور اس طریق تربیت کا نتیجہ ہے جس سے مسلمان بچّے پرورش پاتے ہیں۔

انگریز نامہ نگار۔ کیا اس سے فوج اور مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔

مسٹر جناح۔ مَیں کوئی خون خشک کر دینے والا بیان نہیں دینا چاہتا۔ چونکہ یہ سوال خاص طور پر کیا گیا ہے اس لئے اس کا جواب ضرور دُونگا۔ مجھے فوج سے کوئی ربط نہیں لیکن ہندوستانی فوج ۶۵ فیصدی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اگر مسلم لیگ نے کوئی تحریک شروع کی تو وہ فوج کے ایک بڑے حصّے پر اثر انداز ہوگی۔ صُوبہ سرحد میں ہیجان پھیل جائے گا۔ اور

جہاں تک اخبارات سے معلوم ہوا ہے، افغانستان، ایران۔عراق اور ترکی مسلم ہندوستان کے مطالبہ پاکستان کے زبردست حامی ہیں۔ اگر برطانیہ اور مسلمانان ہند کے درمیان کوئی تصادم ہوا تو ان تمام اسلامی ممالک پر اثر پڑے گا۔

یہ درست ہے کہ ہم حکومت کو پانچ سو گنا زیادہ پریشان کر سکتے ہیں۔لیکن اس کا نتیجہ؟ بظاہر اس کے دو نتیجے دیکھتا ہوں۔ اول یہ کہ غیر ملکی غاصب ہندوستان پر قبضہ کر لے گا۔خواہ وہ مشرق سے آئے یا مغرب سے، شمال سے آئے یا جنوب سے۔ اگر ایسا ہوا تو میری تمام قربانیوں کا حاصل کیا ہوگا؟ محض آقا کی تبدیلی۔ اگر دوسری پارٹیاں ہمارے ساتھ نہ ہوں تو خونیں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ دوسرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے انقلابی تحریک کا آغاز کیا اور برطانوی طاقت کو مفلوج کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہندوستان مختلف حصوں میں بٹ جائے گا۔ میں جب ان نتائج پر غور کرتا ہوں تو برطانوی پالیسی کی شدید مذمت کے باوجود مجھے اپنی حیثیت خربوزے کی سی نظر آتی ہے۔

اس کے برعکس کانگرس نے "ہندوستان چھوڑ دو"، کا مطالبہ کیا ہے۔اور اعلان کیا ہے کہ جب تک انگریز ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم مسئلہ پر غور نہیں کیا جا سکتا۔اس سے پہلے بائیس سال کانگرس کی پالیسی یہ تھی کہ ہندو مسلم مسئلہ کے حل اور اتحاد کے بغیر ہندوستان

کو آزادی نہیں مل سکتی۔ اس لئے جب تک کانگرس اس روش پر قائم ہے، ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے گفت و شنید کی گنجائش کہاں ہے؟ لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کی جانب سے اپیلیں شائع کی جاتی ہیں کہ مسلم لیگ کانگرس سے مل کر ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے سٹوڈنٹس یونین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اجلاس
میں ۲ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! آپ نے جس جوش اور خلوص سے میرا خیر مقدم کیا ہے۔ مَیں اس کے لئے مشکور ہُوں۔ ایسا اعزاز اس ملک یا کسی ملک میں کسی کے لئے بھی باعث صد افتخار ہو گا۔

آپ جیسے ارباب علم و دانش کے وہ جذبات جو اخبار ڈان کی امداد و اعانت میں مضمر ہیں قابل صد ستائش ہیں اور مسلم لیگ کے سرمایہ میں آپ کی امداد کا بھی شکر گزار ہُوں۔ آپ کی یہ امداد میرے لئے ایک پیام امید ہے۔ بہر حال نوجوان طلبار سے رقمی معاملوں میں اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ کی اس پیشکش میں جو جذبات کار فرما ہیں وہی میری متاعِ عزیز ہے۔ بڑی رقمیں تو بھاری بھر کم اشخاص ہی دے سکتے ہیں۔ اور مجھے اب تک معلُوم نہیں ہوا کہ ان سے کس طرح نپٹنا چاہیئے (قہقہہ) لیکن مَیں یہ بتا دوں کہ بہُت سے دولتمند حضرات نے مجھے روپیہ دیا ہے اور فراخ دلی سے دیا ہے۔ اب تک چار لاکھ روپے جمع ہُوئے ہیں۔ غالباً روپیہ جمع کرنے

کا طریقہ غیر معمولی اور کسی قدر بے تکا ہے۔

دولتمند اشخاص روپیہ دینے سے پہلے تھوڑی بہت ناز برداریوں کے خواہاں ہوتے ہیں۔ گزشتہ چھ سالوں میں ہم نے مسلمانوں سے مالی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بغیر سرمایہ کے ہم نے اس جدوجہد کو کس طرح جاری رکھا۔

مَیں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ غیر معمولی ترقی کر کے ایک وسیع ادارہ ہو گئی ہے۔ اب ایک یا دو اشخاص کی مالی امداد سے کام نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے مَیں نے یہ اپیل کی تھی، خدا کے فضل سے اس کا ہر جماعت میں خیر مقدم ہوا۔ آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ دو آنے چار آنے تک کے منی آرڈر وصول ہوئے ہیں۔ غریب مسلمان بڑے خلوص سے اپنے ذرا ذرا سے عطیئے بھیج رہے ہیں۔ اور پُر درد خطوط لکھ رہے ہیں اگر آپ یہ خطوط دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جذبۂ ایثار کی کتنی تیز آگ سینوں میں بھڑک رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم بہت غریب ہیں روپیہ نہیں دے سکتے مگر اپنی جانیں دے دیں گے۔ اور اس کے لئے وہ بالکل تیار ہیں۔ دولتمندوں کے لاکھوں سے کہیں زیادہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقموں نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اب ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں بلکہ کروڑوں کی نمائندگی کر رہی ہے (نعرہ ہائے تحسین) میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مجلس عاملہ کانگرس کے گزشتہ اجلاس میں پنڈت نہرو نے بڑی دیدہ دلیری سے کہا تھا کہ مسلم لیگ برطانوی شہنشاہیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی ہے (گرم

ہے اور مسلم عوام کانگریس کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں نے کانگریس سے بالکل علیحدہ رہ کر بلا شک و شبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت مسلمہ ہو گئی ہے کہ مسلم عوام کانگریس کیساتھ نہیں ہیں اور ہمیں مسلمانوں کی آرا شماری کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ میں ہر سال آپ کے پاس آتا ہوں اور آپ کو سیاسی تغیرات سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ اب میں گزشتہ چند سالوں کے واقعات پر ایک عاجلانہ تبصرہ کروں گا۔

۱۹۳۵ء میں قانون حکومت ہند منظور ہوا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس سے اختلاف کیا۔ لیکن مسلمانوں کا اختلاف اس کے وفاقی جزو کی حد تک تھا وہ اس کے صوبائی جزو کو روبہ عمل لانے اور اس سے مستفید ہونے کے لئے تیار تھے۔ حالانکہ اس کے بہت سے خد و خال قابل اعتراض تھے۔

اس کے برخلاف کانگریس نے یہ قطعی طے کر دیا تھا کہ وہ اس قانون اور اس کے دستور کو مٹا کر رکھ دیگی۔ کانگریس کے ان بلند بانگ تخریبی منصوبوں کے باوجود جب اس قانون کا نفاذ ہوا اور صوبائی انتخاب ہوئے تو کانگریس بھی اس میں شریک ہو گئی۔ انہوں نے متعدد صوبوں میں اس طرح عہدے حاصل کر لئے گویا مسٹر گاندھی کو برطانی حکومت سے کوئی باعزت سمجھوتہ کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، انہوں نے ایسے جے کاروں میں پناہ لی کہ گویا پارلیمانی منزل تصور سے نکل کر وجود میں آگئی ہے۔

اس زمانے میں مسلم ہندوستان ایک جسد بے جان تھا۔ جہاں تک اس دستور کے صوبائی جزو کا تعلق ہے۔ مسلم ہندوستان کو کانگریس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ گورنروں نے چپ سادھ لی تھی، وائسرائے خاموش و ساکت ہو گئے تھے، اور کانگریسی راج مسلمانوں

کے سماجی اور سیاسی زندگی کے ہر شعبہ کو بُری طرح کچل رہا تھا۔ ان کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی اور ناانصافی کی جارہی تھی، مسلم لیگ مقہور و معتوب تھی اور اسکی صفوں کو پارہ پارہ کرنے کی ساری کوششیں جاری تھیں اس وقت وائسرائے کہاں تھے؟ یہ بدترین عہد شکنی کے مجرم ہیں! وہ اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے دستوری ذمہ داریوں سے گریز کرکے اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کی!

ہم نے ان بھیانک حالات میں اڑھائی سال گزارے۔ اگر اس وقت دستور کے وفاقی جزو کا بھی نفاذ ہو جاتا تو یہ مسلم ہندوستان کے لئے پیام مرگ ثابت ہوتا اسی اثنار میں جنگ شروع ہوگئی۔ شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء تک جبکہ جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی مسلم لیگ نے اپنی تنظیم کو اس قدر استوار اور مستحکم کر لیا تھا کہ حکومت ہند اور برطانیہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ جنگ کے پُرآشوب زمانے میں مسٹر گاندھی کے ساتھ کل ہند مسلم لیگ کے صدر کو بھی وائسرائے نے ملاقات کے لئے مدعو کیا۔ کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی مسلم ہندوستان کے کسی مسلمہ قائد کو کانگریسی رہنما کے ساتھ مدعو کیا گیا ہو؟

بس اسی دن سے مسٹر گاندھی کی ساری توانائیاں اس امر پر مرکوز ہو گئیں کہ صدر مسلم لیگ کی اس مجتمعہ حیثیت کو گھٹا کر صفر بنا دیا جائے۔ حالانکہ ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کی مساویانہ حیثیت ہر آئینہ منصفانہ تھی۔ مسٹر گاندھی نے یکے بعد دیگرے توپ دھانے شروع کر دیئے۔ وائسرائے سے پہلی ہی گفتگو کے دوران میں انہوں نے برطانی پارلیمان اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کرکے اپنے

انتہائی رنج وملال کا اظہار کیا اور واقعی انکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

انہوں نے (وائسرائے سے) کہا کہ "اگر انگلستان کو شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل" پھر ہندوستان کو مشورہ دیا کہ وہ برطانیہ عظمی کو غیر مشروط امداد دے۔ اس کے بعد وہ کانگریس کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔

(وہ چار آنے کے رکن بھی نہیں ہیں) اب آپ یہ کہتے ہیں۔

"میں کیا کر سکتا ہوں؟ مجلس عاملہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے اور یہ اس کے مطالبات ہیں ——— فوری خود مختاری اور اس کے ساتھ ہی عوام کے (لفظ عوام غور طلب ہے) اس حق کا اعلان کہ ایسی مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو رائے دہی بالغان کے اصول سے تشکیل پائی ہو اپنا دستور خود مرتب کریں۔ اور بطور طمانیت مرکز میں فوراً ایک قومی حکومت تشکیل دیکر اختیارات کی ایک حقیقی مقدار اس کو منتقل کر دیں۔"

کانگریسی ان مطالبات پر برابر زور دیئے جا رہے تھے کہ وائسرائے نے اعلان کیا کہ (قانون ۱۹۳۵ء کا) وفاقی جزو ملتوی کر دیا گیا ہے ہم نے عملی آدمیوں کی طرح اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔ لیکن ہم نے اسکے ساتھ ہی اسکو قطعی منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ تھا کہ کوئی دستور خواہ وہ عارضی ہو یا قطعی ہماری مرضی کے خلاف ہم پر نافذ نہ کیا جائے۔

آخر کار برطانی حکومت نے (مسلم لیگ کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے) وفاقی جزو کو منسوخ کر دیا ہم نے محسوس کیا کہ اس سے ہمارا ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔

اگست ۱۹۴۰ء میں ہز مجسٹی کی حکومت نے اعلان کے ذریعہ واضح کیا کہ تا وقتیکہ ہندوستان کے بڑے عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں اس کا نفاذ نہیں کیا جائیگا اور مسلمانوں اور

دوسری اقلیتوں پر کسی دستور کو جبراً نافذ نہیں کیا جائیگا تاآنکہ وہ اسے منظور نہ کرلیں۔

اس کے ردعمل کے طور پر مسٹر گاندھی نے ایک مخصوص طرز استبداد کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۳۹ء میں مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اس خیال سے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہو جانے کا حکم دیا کہ اس عمل سے موجودہ دستور معطل ہو جائے گا۔ سب سے پہلے صوبہ مدراس کی وزارت مستعفی ہو گئی۔ ان کو توقع تھی کہ وائسرائے انہیں واپس بلالیں گے۔ لیکن وائسرائے نے فوراً استعفا قبول کر لیا اور کانگریس کی ہر ایک وزارت کا یہی حشر ہوا۔ اور ایسے تمام صوبوں کو دفعہ (۹۳) کے تحت لے لیا گیا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس طریقہ کار کا مدعا کیا تھا۔ مسٹر گاندھی کا مقصد خاص یہ ہے کہ "ہندوادوار پارینہ" کی تجدید کی جائے۔ اور رام راج کے وارث حقیقی اور برطانی راج کے جائز نمائندے کی حیثیت سے سارے برِّ اعظم ہندوستان پر حکومت کی جائے اور مسلمانوں کے کندھوں پر اپنے اقتدار کا جُوا رکھ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو یقیناً مسلمان قعر ذلت میں گر جاتے۔ آج سے پہلے وہ یہی کہا کرتے تھے کہ ایک عام سول نافرمانی کا آغاز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مسلم لیگ اسکے خلاف ہے، پھر وہ برطانی حکومت کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے باوجود وہ "آزادی تقریر" کا بہانہ تراش کر استبداد پر اتر آئے وہ چاہتے تھے کہ اختتام جنگ سے ان کے اختلاف کی دنیا میں تشہیر ہو۔ اور حکومت پریشان ہو کر طوعاً کرہاً ان کے مطالبات مان لے۔

انفرادی سول نافرمانی کو شروع ہوئے جب چودہ مہینے گزر گئے تو ان کو محسوس ہوا کہ اب یہ ناؤ ڈوبنے والی ہے۔ اس وقت مسٹر گاندھی اور کانگریس کو دفعتاً علم ہوا کہ کانگریس نے مسٹر گاندھی کو ایسی مہم جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا

تھا! چنانچہ اس مہم کو خیرباد کہہ دیا گیا (قہقہہ)

مارچ ۱۹۴۲ء میں اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے قدرتی طور پر برطانی حکومت اپنے مفاد کی خاطر اس امر کی خواہشمند تھی کہ ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کر دے تاکہ انصرام جنگ میں ان کی متفقہ امداد و تعاون اسے حاصل رہے۔ چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے ذریعہ انہوں نے ایک تجویز کی پیشکش کی میں یہاں مختصر طور پر بتا دوں کہ اس تجویز کا کیا مفہوم تھا۔

۱- اسمیں وعدہ کیا گیا تھا کہ اختتام جنگ کے بعد برطانی حکومت ہندوستان کو ایسی ہی مکمل حکومت خود اختیاری دے گی جیسی کہ برطانی مقبوضات کو حاصل ہے یا اور واضح طور پر جیسی کہ خود انگلستان میں موجود ہے۔

۲- ہندوستان کو اس کا بھی حق حاصل رہے گا کہ اگر وہ چاہے تو برطانی دولت عامہ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

۳- مرکزی مجلس دستور ساز میں صوبائی مجالس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کی تعداد دس فیصدی ہوگی۔

اس طریقہ کار سے مسلم ہندوستان کو پچیس فیصد نشستیں بھی نہیں مل سکتیں تھیں یہ مرکزی مجلس ایک مخلوط مجلس کی طرح متحدہ ہندوستان کا دستور جمہوری طرز پر مرتب کریگی۔ اس لیے محض کانگریس کی دلجوئی مقصود تھی لیکن برطانیہ کو اس کا بھی علم تھا کہ اس منزل پر آکر رک جانا مسلمانوں کیلئے موجب تشویش ہوگا اب مسلمان بھی اس ملک میں ایک قابل لحاظ طاقت ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی سوچنا پڑا کہ مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں وہ مسلم ہندوستان سے کس طرح عہدہ برآ

ہو سکتے ہیں۔ انہیں وجوہات کی بنا پر انہوں نے اس تجویز میں اختیار علیحدگی کا اضافہ کیا۔ چنانچہ اس میں یہ بھی درج تھا۔

۴۔ ایک متحدہ مملکت کی طرح جب سارے ہندوستان کا دستور مرتب ہو جائے تو ہر ایک صوبہ کی مجلس قانون ساز میں اس کو منظوری کے لئے پیش کیا جائیگا۔ اور ان مجالس کو اس میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہوگا

سارے ہندوستان کی ایک متحدہ مملکت کے لئے ایسی جماعت سے جو دستور تشکیل پائے گا وہ یقیناً سارے کا سارا انہیں (ہندوؤں) کا اپنا ہوگا۔ لیکن اس میں مسلمانوں کی اشک شوئی کی گئی تھی کہ ان کو اختیار علیحدگی دیا گیا تھا۔ یہ سارا طریقہ کار ہمارے خلاف ایک بچھائی ہوئی بازی کی طرح ہے۔ پنجاب و بنگال کے اسلامی صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ لیکن مجلس قانون ساز میں عملاً اقلیت بنا دیئے گئے ہیں۔

اب اس اختیار علیحدگی کی حقیقت سنیئے! اس متحدہ مملکت کے دستور کے خلاف اگر ہم نے مجلس قانون ساز میں چالیس فیصد آرا حاصل کر لیں تو ہم صوبے کی عام آرا شماری کے مجاز ہوں گے۔

گویا یہ ایک بازی گاہ کی طرح اس میں متعدد باڑھیں لگی ہوئی ہیں اور یہ باڑھ نمبر (۱) ہے جس پر سے جست لگانا ہے۔ صوبائی مجلس قانون ساز جس کو شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے باڑھ نمبر (۲) ہے۔

اگر ہم ان دونوں کو پھاندنے میں کامیاب ہو گئے تو باڑھ نمبر (۳) آپ کے سامنے آجاتی ہے ——— یعنی عام آرا شماری۔

لیکن کس کی رائے عامہ؟ سارے صوبہ کی رائے عامہ! اس تجویز کو رُو بہ عمل لانے

کے لئے جو طریقہ کار رکھا گیا ہے وہ محض اشک شوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن مسٹر گاندھی نے ان تجاویز کو کیوں مسترد کر دیا؟ انہوں نے سوچا کہ اگر ایک دفعہ علیحدگی کے اصول کو کانگریس نے تسلیم کر لیا تو پھر اسکے لاحقات کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔ اس میں پاکستان کا بنیادی اصول جنم لے رہا ہے۔ اس تصور کو پراگندہ اور منتشر کر دینے کے لئے مسٹر گاندھی نے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگایا۔

اس نئے اقدام میں کسی جماعت کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ گزشتہ بیس سال سے انہوں نے یہ راگ الاپا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا اس خصوص میں انہوں نے بہت سی باتیں بنائی ہیں لیکن اتحاد کے راستہ میں وہ خود سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

اُنہوں نے ایک عام سول نافرمانی کا فیصلہ کیا۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ تا وقتیکہ برطانوی ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم اتحاد ملتوی رہے گا۔ کانگریس کی تشفی کرنے کے معنی مسلمانوں کو قربان کر دینے کے ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے کانگریس کے سامنے اس لئے جھکنے سے انکار کر دیا کہ اس کو ہم سے کوئی اُلفت تھی! اس نے وہی کیا جو اس کے مناسب حال تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ان دو آدمیوں کو جو ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؛ ایک ہی سمت اور ایک ہی راستے پر چلنا پڑتا ہے۔

پھر انہیں اس کا بھی خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو پیچھے گرا دیا گیا تو مسلم لیگ اب اتنی طاقتور ہو گئی ہے کہ وہ کانگریس سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ایک

دوزخ ضرور بنا سکتی ہے، وہ ہم سے خوف زدہ تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی یہ مہم جواری کا آخری پانسہ تھی آپ کو مسلم لیگ سے کیا توقع تھی؟ کیا آپ کو امید تھی کہ کانگریس کے ان داؤ پیچ سے واقف ہونے کے بعد بھی مسلم لیگ اس تحریک، سول نافرمانی کی تائید کرتی؟ یہ محض برطانیہ ہی کے خلاف اعلان جنگ نہیں ہے۔ بلکہ کانگریسی مطالبات کے تعلق سے یہ ایک خانہ جنگی ہے کیونکہ اس کے مطالبات مفاد اسلامی کے منافی ہیں۔ اگر آزادی اور خودمختاری کے نام پر مسلمان بھی اس تحریک میں شامل ہو جاتے تو مسٹر گاندھی انگلستان، امریکہ اور ساری دنیا سے کہتے پھرتے کہ وہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور کہ ان کے مطالبات کو مسلم ہندوستان کی تائید بھی حاصل ہے۔

اگر مسلمان دام تزویر میں آجاتے تو یہ ان کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔

اگر ہمیں انگریزوں کی دیانت پر بھروسہ ہوتا تو قدرتی طور پر ہمارے لئے یہی ایک راستہ رہ جاتا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کچل دیں کیونکہ اس تحریک کے مقاصد میں ہماری پامالی بھی شامل تھی۔ لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم انگریزوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے داؤں پر ہیں۔ اس لئے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ رہیں۔ ان کو اپنے آپ لڑنے دو۔ یہ انہیں واقعات میں سے ایک ہے جبکہ غیر جانبداری ہی بہترین حکمت عملی ثابت ہوتی ہے۔

آخر "ہندوستان چھوڑ دو" کے نعرے کا کیا حشر ہوا؟ ۸ اگست سے ہندو ادارے کیا مانگ رہے ہیں اور کس سے مانگ رہے ہیں؟ اپنے ملک کے دس کروڑ

مسلمانوں سے تصفیہ کر لینے کے بجائے وہ انگلستان، امریکہ، چین، اور اب تو روس سے بھی استدعائیں کر رہے ہیں کہ معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کی امداد کریں!
مَیں کانگریس اور ہندوؤں سے پُوچھتا ہوں کہ تم نے انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں پھر اب یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ تمہارے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیں؟ ان سے تم کس امداد و اعانت کی توقع رکھتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ دس کروڑ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں کوئی دستور نافذ کر دیں؟

اگر ہندوؤں کے دل میں سمجھوتہ کرنے کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے۔

اس کے برخلاف برطانیہ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اور منجملہ دیگر جماعتوں کے ایک ہے۔
بالکل درست! کانگریس ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے بالکل درست! لیکن جب میں یہ پُوچھتا ہوں کہ ان دس کروڑ مسلمانوں کا اور ان کروڑوں اشخاص کا کیا ہوگا جو کانگریس کے مؤید نہیں ہیں؟ حکومت اس کا انوکھا جواب دیتی ہے۔
اس کی حجت یہ ہے کہ کانگریس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کانگریس کا موقف محال اور ناممکن ہے، دفاع کے لیے اس ملک کے وسائل کو مجتمع کرنے کے سلسلہ میں حکومت نے تمام دوسری جماعتوں کو یکسان نظرانداز کر دیا ہے۔

میں کسی دیانتدار آدمی سے پُوچھتا ہوں کہ کیا تجویز پاکستان جس میں

ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی مضمر ہے اور جس کی رُو سے تین چوتھائی ہندوستان ہندوؤں کو اور ایک چوتھائی مسلمانوں کو ملتا ہے کسی طرح بھی ناواجبی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آؤ ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور مخلصانہ طور پر یہ طے کر لیں کہ تم اپنے منطقوں میں ہماری اقلیتوں کی حفاظت کرو گے اور ہم اپنے منطقوں میں تمہاری اقلیتوں کی حفاظت کریں گے (نعرہ تحسین)

اگر تمام جماعتیں بشمول حکومت مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اس امر کی ضمانت دیں کہ تجویز پاکستان کو رُو بعمل لایا جائیگا تو عارضی حکومت کا مسئلہ بہت آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں مجھے بہت سے ہندوؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ ازراہ مہربانی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے بغیر کسی دل شکنی سے ان سے پوچھا تھا۔ ہندوؤں کو حکومت کئے کتنا عرصہ گزرا اور ہندوستان کے کس حصّہ پر انہوں نے حکومت کی تھی؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابل ذکر حصّہ پر حکومت نہیں کی ہے۔ ہماری تجویز کی رُو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے اپیل کی کہ وہ حریص نہ بنیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ تین چوتھائی لے لو اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو

مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو۔ اور تم بھی اپنے منطقوں میں یہی کرو۔ (نعرۂ تحسین) آؤ اس طرح ہم امن کے ساتھ گزر بسر کریں۔

لیکن بدبختی سے ہندو قیادت کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمان ان کے سامنے جھک جائیں اور ایک دوامی اقلیت کی طرح ان کے زیر اقتدار رہیں۔ ہم اسکو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ہماری عام مسلم آرا شماری کی تجویز اسی بنیاد پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی بھی تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں (نعرۂ تحسین) دنیا میں کہیں بھی دس کروڑ اشخاص کو اقلیت نہیں کہا جاتا۔ اس لئے یہاں کسی رعایت، سمجھوتے یا تحفظات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ مسلمانوں کے پیدائشی اور وراثتی حق خود ارادیت کا سوال ہے کہ اس ذیلی براعظم میں رہنے والی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے ان منطقوں میں جہاں وہ اکثریت میں ہیں اپنی ریاستیں بنائیں (نعرۂ تحسین) ہم اس حقیقت نفس الامری پر کوئی مصالحت نہیں کر سکتے۔ یہ گویا خود اپنے وجود پر مصالحت کرنا ہوا۔ اگر تم مجھ سے ایک اقلیت کی حیثیت سے گفتگو کرو گے تو پھر کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ ہم ایک قوم ہیں تو پھر اپنے مستقبل کا اختیار ہمیں کو ملنا چاہیئے۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلم رائے عامہ کے فیصلہ کو روبہ عمل لانے پر آپ ہم سے اتفاق کر لیں۔ اس دوران میں ایک ایسی عارضی حکومت بنانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا جو ہندوستان کی دفاع کے لیے تمام وسائل کو یکجا کرنے کی خاطر تشکیل دی جا رہی ہو۔

ہمیں ہندوستان کی دفاع سے بڑا تعلق خاطر ہے کیونکہ ہمارے گھر ہمارے اہل وعیال یہیں ہیں۔ امریکی، چینی اور انگریز تو اپنے اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں لیکن میرا گھر تو یہیں ہے۔ اس لئے اپنے گھر کی حفاظت کی خاطر میں ان سے بھی زیادہ متردد ہوں۔

بہر حال مسلم ہندوستان کسی عارضی حکومت میں محض اقلیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ مساوی حیثیت سے ضرور حصہ لیگا (نعرۂ تحسین) ہماری اس تجویز کے جواب میں وہ ہوا کے رُخ کا اندازہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں اور دوسری طرف بیرونی ممالک سے استدعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بعض اشخاص یہ پوچھتے ہیں کہ فرض کیجئے برطانیہ اور کانگرس کے اختلاف ختم ہو جائیں اور اول الذکر کانگریس کے مطالبات تسلیم کرلے تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر برطانی حکومت ان حتمی عہد و اقرار کے باوجود ہمیں نیچے دھکیل کر کانگریس کے رحم و کرم پر ڈال دے تو مجھ پر یقین کیجئے کہ اگر ہم متحد اور متفق رہے تو پھر دونوں مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (نعرۂ تحسین) اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی حکومت کو ناممکن بنادیں۔

چین اور امریکہ کی متحدہ طاقت بھی کوئی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ لیکن اگر متحدہ اقوام کسی ایسی بھونڈی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو یاد رکھو کہ ایک حقیر کیڑا بھی پلٹ پڑتا ہے۔

ان غیر ملکی سنگینوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریسی راج رچایا جارہا ہوگا، ہم ملک کے سارے نظام میں زلزلے ڈال دیں گے اور

اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دیں گے (فلک شگاف نعرے) کیونکہ اس مخرج کو تسلیم کر لینا ہمارے لئے انتہائی اندوہ ناک سنگین نتائج کا موجب ہوگا۔ اور اس فاسقانہ اقدام سے ذیلی براعظم کے دس کروڑ مسلمانوں کا مستقبل تیرہ و تار ہو جائے گا اور ان کی آزادی پر خط تنسیخ کھنچ جائے گا۔

اعتقاد، اتحاد اور تنظیم کو اپنا اصول بنانے کی میں نے گزشتہ مرتبہ اپیل کی تھی۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔ اور اپنی متاع عزیز، اس بیش بہا دراثت اسلامی کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو اب اور اسی وقت اس کا عہد کر لو، اور کام کا آغاز کر دو، اور کرئے ہی جاؤ۔ مسلم لیگ کو منظم کر دو۔ یہی تمہارے آخری محرکات ہیں اور یہی تمہارے آخری اور قطعی اسلحہ بھی ہیں جو تم بنا سکتے ہو (نعرہ تحسین) مسلم ہندوستان میں ایک حیرت انگیز تبدیلی ہو گئی ہے۔ اگر تم میں بے غرضی، باہمی تعاون، جذبۂ خدمت اور مل جل کر کام کرنے کی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کرہ ارضی کی طاقت نہیں دبا سکتی (فلک شگاف نعرے)

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں
۸ر نومبر ۱۹۴۲ء کو ارشاد فرمائی۔

معزز حضرات! اپریل کے اجلاس کے بعد آج ہم پھر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس وقت سے اب تک ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں بہت سے واقعات ہو چکے ہیں۔ میں پچھلے دنوں علی گڑھ میں صورتِ حال پر تفصیلی بحث کر چکا ہوں خصوصاً ہندوستان کے سیاسی حالات پر۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان تمام واقعات کو جو ہندوستان میں ہوئے بغور دیکھتے رہے ہوں گے

ہندوستان کی منظم جماعت جس کا خاص کام ممالک خارجہ میں ہمارے متعلق غلط بیانی کرنا اور امریکہ، چین، انگلستان اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں کے متعلق غلط فہمی پھیلانا ہے، اپنے پروپیگنڈا میں معروف رہی۔ باشندگانِ امریکہ ہمارے متعلق بہت کم معلومات رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کے متعلق غلط خیالات پھیلانے کے لئے منظم پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ یا تو ہمارا مطلب سمجھا ہی نہیں جاتا یا اسے غلط بیان کیا جاتا ہے۔ یا عمداً ہمیں ہندوستان میں برطانی ملوکیت کا ایجنٹ اور آزادی و خودمختاری کی راہ میں حائل ہونے والا بتایا جاتا ہے۔

جو لوگ ہندوستان میں ہونے والے واقعات اور ان کے اسباب پر صحیح طور سے غور کر رہے ہیں، ان کے نزدیک ہمارے متعلق یہ الزام ہے کہ ہم آزادی میں سدراہ بنے ہوئے ہیں، نہ صرف شرمناک بلکہ صریح دروغ ہے۔ اس زمانہ میں پروپیگنڈا کے بیہودہ طریقے ذی فہم لوگوں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

مسلم لیگ کی پوزیشن قرارداد بمبئی میں واضح کر دی گئی تھی۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ اور شمال مغرب اور مشرقی علاقے میں جہاں وہ بود و باش رکھتے ہیں ان کی تعداد سات کروڑ سے کم نہیں۔ ہم ان علاقوں میں خود مختار ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور کسی ایسے آئین کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جو ہندوستان میں مرکزی جمہوری حکومت پر مبنی ہو۔

ہندوستان کبھی ایک نہ تھا۔ ایک قوم نہ تھا اور ایک ملک نہ تھا۔ اور اس پر کسی ایک طاقت نے کبھی بزور شمشیر بھی حکومت نہیں کی۔

یہ ایک چھوٹا برّ اعظم ہے جس میں مختلف لوگ اور قومیں آباد ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی ایک طاقت نے پورے ملک پر حکومت نہیں کی۔ اور اس زمانہ میں بھی جب کہ برطانیہ آئینی طور سے اس پر حکمران ہے، ½ ہندوستان برطانی نہیں۔ ہندوستان کی انتظامی وحدت برطانیہ کی پیدا کردہ ہے۔ لیکن یہ حکومت جو ۱۵۰ یا ۱۶۰ سال سے یہاں قائم ہے، عوام کی منظوری اسے حاصل نہیں۔ یہ ایک جمہوری نظام ہے جسے مغل نظام پر عائد کر دیا ہے (تالیاں) اسے برطانوی سنگینوں کی حمایت حاصل ہے عوام کی نہیں (تالیاں) اب لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے۔ ہم اپنی آزادی چاہتے ہیں، ہم اپنی سرزمین

کے خود مالک بننا چاہتے اور برطانوی اقتدار کو خیرباد کہنا چاہتے ہیں (تالیاں) ہماری تجویز پاکستان ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری کا دیباچہ ہے۔ (پُر زور تالیاں) ہماری تجویز کا مطلب واضح ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ اس کے متعلق کس وجہ سے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ ہم ہندوستان کا تین چوتھائی ہندوؤں کو دینا چاہتے ہیں، جو غالباً روس اور چین کے سوا باقی تمام ممالک سے بڑا ہے۔ اور اس کی آبادی ۲۵ کروڑ ہے۔

ہم نے اپنی تجویز میں واضح کر دیا ہے کہ تم اپنے علاقوں میں آزادی اور خود مختاری سے رہو اور ہم اپنے علاقوں میں اپنی حکومت کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لیڈر کا ذہن یہ ہے، کہ تین چوتھائی تو پہلے ہی اپنے قبضہ میں ہے، اب باقی ¼ سے مسلمانوں کو کیونکر خارج کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے اُن کا منصوبہ۔ یہ ہے ان کی مخفی غرض جو مختلف تجاویز کے پردے میں اب تک ہمارے سامنے آتی رہی ہے۔ ان کی ہر تجویز میں کہا جاتا ہے ـــــ قومی حکومت۔ لیکن کس کی قومی حکومت؟ ہندوؤں کی قومی حکومت ـــــ اکثریت کی حکومت جو مجلس وضع آئین کے روبرو جواب دہ ہو۔

یہ آج کل کے محاورات ہیں اور ان سب کی غرض و غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اقلیت کی حیثیت سے جُھک جانا اور ہندو راج تسلیم کر لینا چاہیئے اور یہ ایسی بات ہے جسے مسلمان ہرگز تسلیم نہیں کریں گے (تالیاں)

ہم پرانے زمانے میں زندگیاں بسر نہیں کر رہے۔ آج موت اور حیات کی کشمکش ہو رہی ہے۔ ہندوستان کی سرحدوں کو شدید خطرات کا سامنا ہے

قدرتی طور سے ہر ذی ہوش ہندوستانی اس اقدام میں مسرت محسوس کریگا کہ تمام وسائل سے حملہ آوروں کی مزاحمت کی جائے۔ ہمارے امریکی دوست امریکہ جا سکتے ہیں اور برطانی دوست انگلستان جا سکتے ہیں لیکن میں کہاں جاؤنگا؟ اس لئے دوسروں کی نسبت اس سرزمین کے تحفظ سے مجھے زیادہ تعلق ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے انگریزوں اور دوسری پارٹیوں سے کہا تھا کہ مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم کر لو اور مسلمانوں کی رائے عامہ جو مطالبہ کرے مان لو۔ اگر مسلمانوں کی رائے عامہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کے حق میں اور جداگانہ مسلم ریاستوں کا مطالبہ کرے تو تمام پارٹیوں کو رضامندی سے اس مطالبہ پر عمل پیرا ہونے کا عہد کرنا چاہیئے۔ اگر ہمیں سنجیدہ اور آبرومندانہ طریق پر اس بات کا یقین دلا دیا جائے تو ہم نہ صرف یہ کہ ابتدائی حکومت کے قیام میں مشکلات پیدا نہیں کریں گے بلکہ مساوی حقوق کی بنا پر (اقلیت کی حیثیت سے نہیں) اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ تمام ضروری اختیارات عارضی حکومت کو منتقل کر دئے جائیں۔

اب تک ہندو لیڈروں نے ہمارے مطالبات پر اسی قسم کے بادھوائی جواب دیئے ہیں۔ کبھی وہ کسی غیر ملکی طاقت سے اپیل کرتے ہیں کبھی کسی سے۔ لیکن بیرونی اقوام سے اپیل کرنے کا فائدہ؟ کیا وہ غیر ملکی طاقت اس چھوٹے بر اعظم میں کاروبار حکومت چلائے گی؟۔

اس ملک میں حکومت کا معاملہ دو بڑی پارٹیاں ہندو اور مسلمان کرینگی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اقلیتوں کے حقوق نظر انداز کر دئے جائیں گے

اتفاق رائے سے جو سکیم بھی مرتب کی جائے گی اس میں اقلیتوں کے حقوق اور مفاد ملحوظ رکھے جائیں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوؤں کے صاحب فکر طبقوں میں ایک تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ محسوس کریں گے کہ ہمیں دوستوں کی طرح بیٹھ کر اپنے اپنے مطالبات صاف دلی سے پیش کر دینے چاہئیں۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ یہ نیا جذبہ بروئے کار آئے گا۔ لیکن اس اثنا میں ہم کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔

جہاں تک برطانی حکومت کے ساتھ رویہ کا تعلق ہے ہم کانگرس کی روش کی حمایت نہیں کر سکتے نہ صرف اس وجہ سے کہ اس کا رویہ مسلم مفاد کے حق میں معاندانہ ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس نے برطانیہ سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایک ایسی تحریک شروع کی ہے جو مسلم مفاد کے لئے مہلک ضرب کے مترادف ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہندو پبلک حقیقت حال کو سمجھنے کی کوشش کرے گی اور اس پالیسی کو تبدیل کر دیا جائے گا۔

برطانیہ کی روش بھی عجیب اور ناقابل فہم ہے۔ چونکہ ایک پارٹی نے بے معنی اور ناقابل قبول مطالبہ پیش کیا ہے۔ اس لئے برطانی حکومت وقت گزار رہی ہے۔ اور اسکوئیتھ کی پالیسی "انتظار کرو اور دیکھو" پر عمل کر رہی ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ کبتک کوئی انتظار کر سکتا ہے۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ہماری سرحدیں محفوظ نہیں۔ ہمارے میدان ہائے جنگ خطرہ سے باہر نہیں۔ برطانی حکومت جو سب سے بڑی غلطی کر سکتی ہے، وہ "دیکھو اور انتظار کرو"

کی پالیسی کا اختیار کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں، اُٹھو اور کچھ کرو۔ سو فیصدی نہیں، نوّے فیصدی۔ نوّے فیصدی نہیں تو اسّی فی صدی سہی۔ بہر حال کچھ کرو۔ برطانیہ جس قدر جلد اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کرے گا اتنا ہی بہتر ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ مسلم مطالبات کو فوراً تسلیم کر لیا جائے۔ جو ہندوؤں کے لئے بھی منصفانہ ہیں اور مسلمانوں کے واسطے ابھی۔ مسلم مطالبات کو منظور کر کے برطانیہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دُنیا پر واضح کر سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کو جلد سے جلد آزادی دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ہم نے تعزیری جرمانوں کے متعلق ایک قرارداد منظور کی ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تعزیری جرمانے مسلمانوں پر بھی کئے گئے حالانکہ حکومتِ ہند اور حکومتِ برطانیہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمان اس تحریک سے الگ تھلگ رہے۔ میں اس موقع پر مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے مسلم لیگ کی ہدایات پر عمل کیا۔ اور اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں کہ مسلمان کانگرس کے ساتھ نہیں اور اس کی پالیسی اور پروگرام کو پسند نہیں کرتے۔

ہم جانتے ہیں کہ حکومتِ ہند کی انتظامی مشین کی چال کچھ اور ہی ہے۔ بہر حال میں اس پلیٹ فارم سے گورنروں اور حکومتِ ہند کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں۔ اجتماعی جرمانے مسلمانوں سے وصول نہ کئے جائیں جو بے گناہ ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کا تو شکر گزار ہونا

چاہیے۔

کشمیر سے وصول شدہ اطلاعات بہت خوفناک ہیں۔ ایک قرارداد کشمیر کے متعلق بھی ہے۔ جہاں تک قازقوں کا تعلق ہے حکومت سے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کرایا جا سکا۔ مجھے امید ہے کہ حکومت اس امر کا خیال رکھے گی تاکہ یہ مسئلہ تسلی بخش طور پر طے ہو جائے۔

مسلمانوں میں مسئلہ حج کے متعلق بھی بڑی تشویش پھیلی ہوئی ہے۔ حکومت سے متعدد بار پوچھا گیا ہے کہ حج کا راستہ کھلا کیوں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہاں حج کمیٹی کے ممبران موجود ہیں جو تفصیلات بیان کریں گے۔ دوسرا مسئلہ سندھ کا ہے۔ مجلس عاملہ نے کل اس مسئلہ پر غور و خوض کیا ہے اور اسے ایک ذمہ دار کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ مجلس عاملہ اس کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کرے گی۔

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے گزشتہ اپریل کے اجلاس کے بعد اب تک مسلم لیگ نے ہندوستان بھر میں بہت ترقی کی ہے ہم نے ایک سول ڈیفنس کمیٹی قائم کی ہے جس نے دو ماہ میں ۱۴ ہزار میل کی مسافت طے کی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو منظم کرنا تھا (کسی فساد و ہنگامہ آرائی کے لئے نہیں) اس خیال سے کہ شاید کہیں کوئی گڑبڑ ہو جائے یا بیرونی عناصر کوئی مفسدہ پردازی کریں۔ مسلمانوں سے ہر جگہ پر کہا گیا ہے کہ وہ اپنے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے واسطے منظم ہو جائیں اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ مسلمان غیر مسلموں کو کوئی امکانی مدد نہ دیں۔

ہماری پنج سالہ سکیم ختم ہو چکی - اس کے لئے مسلمانوں سے روپیہ کی درخواست نہیں کی گئی تھی - آپ اس امر سے متفق ہوں گے کہ پنج سالہ سکیم کامیاب رہی - آج ہزاروں اور لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے ہیں - مَیں نے ان غیر ملکی نامہ نگاروں اور انگریزوں سے جو ہندوستان کے مختلف حصّوں میں گشت کر چکے ہیں، سُنا ہے کہ ہم جہاں گئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کا حامی پایا - آپ نے مسلم لیگ کو اس طرح منظم کیا ہے کہ اسکی تاریخ ہندوستان میں نہیں مل سکتی - اب ایک صاف راستہ ہمارے سامنے ہے اور یہ راستہ ناتعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے بھی صاف کیا جا رہا ہے - ہمارا النصب العین اور مقصد واضح ہے اور ہمیں اس کے حصُول کے متعلق ذرا بھی شک و شبہ نہیں - ہم آہستہ آہستہ احتیاط کے ساتھ منزلِ مقصُود کی جانب بڑھ رہے ہیں -

اس بڑے ادارے کو چلانے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے - اور مَیں اس کے لئے اپیل کر چکا ہُوں - مَیں نے اس کے لئے اعلان کیا تھا کہ معطی حضرات براہ راست میرے نام روپیہ بھیجیں - اکثر لوگوں کے لئے مشکل تھا لیکن اس کے باوجود چار لاکھ روپیہ ہو چکا ہے - حالانکہ کسی پر زور نہیں دیا گیا اور نہ کسی کو ترغیب دی گئی -

ہم نے ایک اعلیٰ درجہ کا انگریزی اخبار بھی جاری کر دیا ہے - ابھی عمر میں چند ہفتوں سے زیادہ نہیں - ابھی اس کی وہ شان نہیں - جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں، پھر بھی ان اخباروں سے مقابلہ کرتا ہے جو

پچیس برس سے جاری ہیں۔ کچھ وقت گزرنے پر یہی اخبار ہندوستان کے بہت سے ممتاز اخباروں سے بڑھ جائے گا۔ اس کے مصارف کو مسلم لیگ فنڈ سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ صرف دو یا تین افراد کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

یہ اخبار دائم وقائم رہے گا۔

(پُرزور تالیاں)

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بمبئی کے اجلاس میں، ۲۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! موجودہ تعطل کو دور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریسی زعما کو حاصل ہے۔ اگر مسائل کو سلجھانے کی کوئی حقیقی خواہش انہیں ہے تو سارا معاملہ بآسانی طے ہو سکتا ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ میں بحیثیت صدر مسلم لیگ کے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لوں اور کانگریسی قائدین کو جیل سے رہائی دلواؤں۔ میں اس سے ستائش اور قدر افزائی پر محمول کروں گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کی صورت حال کیا ہے۔

کانگریس کی ۸ اگست والی قرارداد آزادی ہند سے متعلق اسکے گزشتہ رویہ سے بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۴۲ء میں کہا تھا کہ:-

"تاوقتیکہ مسلم لیگ سے کوئی قابل عمل سمجھوتہ نہ ہو جائے سول نافرمانی مخالفت ایک مدافعت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور کوئی کانگریسی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور موقعہ پر مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ:-

"فرقہ دارانہ سمجھوتہ کے بغیر دوران جنگ میں اگر کسی عام تحریک کا آغاز کر دیا جائے تو یہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کرے گی۔ اور [illegible] کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔"

الغرض مسٹر گاندھی نے اس پر زور دیا تھا کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کے بغیر آزادی کبھی نہیں مل سکتی کیا اب مسٹر گاندھی یا کانگریس [illegible] ق ہے [illegible] مسلم لیگ سے کسی سمجھوتے کے بغیر ہی وہ آزادی حاصل کرلیں گے؟ یہ [illegible] جو خود مسٹر گاندھی کے قول کے مطابق خودکشی کے مترادف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی ہیں، لیکن سروں کو گن کر تو کام نہیں چلا سکتے! اس برِ اعظم میں مسلمان ایک طاقتور قوم ہیں۔ کانگریس کا طرزِ عمل بالکل صاف ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ برطانی حکومت کو جھکانے کے لئے کافی ہیں تاکہ حکومت مجبور ہو کر مسلمانوں کے اہم ترین اور وقیع مفادات کو پامال کر دے۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔

ہندو مہاسبھا جو کانگریس ہی کا مثنیٰ ہے ان ارادوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی وہ کہتے ہیں "ہم ہندوستان کی آزادی و خود مختاری اگر آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ مل کر اور اگر آپ نہ چاہیں تو آپ کے بغیر ہی حاصل کرلیں گے۔"

متعلقہ فرقے مسلم لیگ کو قطعاً نظر انداز کر کے حکومت کو خطرناک انجام سے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دس کروڑ مسلمان

بلاشک و شبہ ایک انقلاب برپا کر دیں گے مگر کبھی ہندو راج کے رحم و کرم پر رہنا پسند نہ کریں گے۔

بحیثیت مجموعی مہاسبھا کے اس غیر دانشمندانہ فیصلے سے برطانی قدامت پرستوں کے ہاتھ یہ لاجواب کر دینے والی منطق آجائے گی کہ "بڑی جماعتوں کے مابین مفاہمت ہی نہ ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

فرض کیجئے کہ کانگریس کامیاب بھی ہو گئی، اور انگریزوں نے ہندوستان بھی چھوڑ دیا اور کانگریس ہی کے تصور کے مطابق ہندوستان کو خود مختاری مل گئی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کانگریس اس ذیلی براعظم کی آزادی برقرار رکھ سکے گی؟ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلامی ہندوستان کبھی ہندو راج قبول نہ کرے گا۔ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ ملک میں صرف انتشار اور طوائف الملوکی ہو گی۔

خود مسٹر گاندھی نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ کوئی مصالحت ہو یا نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ خونریزی اور خانہ جنگی برپا ہو جائے۔ ان متضاد تصورات کے مدنظر کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی حکمت عملی کو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندو اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ "کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچنا ہی چاہیئے۔"

اس کے علاوہ متعدد سمتوں سے مختلف مشورے دیئے جا رہے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان چھوڑ دو کی حکمت عملی پر وہ ایقان نہیں رکھتے۔ وہ صرف مصالحت چاہتے ہیں۔ مسلمانوں سے نہیں، بلکہ برطانی

حکومت سے! گو ان کی بینہ حکمت عملی یہ نہیں ہے۔ لیکن وہ چاہتے یہی ہیں کہ انگریز ملک میں رہیں۔ وہ ہندوستان کی فوری آزادی یا ہندوستان چھوڑدو کی حمایت نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسی طرز حکومت چاہتے ہیں کہ جس میں ہندو برطانیہ کے سہارے سے مسلمانوں پر مسلط ہوں اور آہستہ آہستہ ان کا گلا گھونٹ دیں۔

لیکن یہ سب خیالی پلاؤ ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا حکومت برطانیہ "گاندھی اور نہرو" کو اس ذیلی برّاعظم کی "گدی پر بٹھادے گی کہ وہ دوسروں پر برطانی سنگینوں کے بل بوتے حکومت کریں۔ اگر کانگریس اور ہندو رہنما مخلصانہ طور پر ہر دو قوموں کی آزادی کے متمنی ہوں تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ تجویز پاکستان قبول کرلیں۔

خواہ ہم دوستوں اور اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں یا کسی اور طرح جب تک کانگریس اکھنڈ ہندوستان اور متحدہ ہندوستان کا راگ الاپتی رہے گی ایک عام اور مشترک غلامی کے سوائے اور کوئی توقع نہیں ہوسکتی۔

اکھنڈ ہندوستان کے معنے مہاسبھا نے اپنی قرارداد کانپور میں "مکمل ہندو اقتدار" بتائے ہیں۔

مسٹر ایمری نے ایک تاریخی انکشاف کیا ہے۔ وہ اکبری آئین اور اس کی طرز حکومت کا مطالعہ کر رہے ہیں تاکہ ہندوستان کی تنظیم مابعد جنگ میں کسی ایسی ہی طرز حکومت کو شامل کردیں۔ برطانی حکومت ہندوستان میں کم وبیش اکبری طرز حکومت کے مماثل ہے۔ اس مغل شہنشاہ کے دربار میں

ہندو اور مسلمان دونوں قوم کے وزرا تھے وہ جانتا تھا کہ دونوں اقوام پر اسے حکومت کرنی ہے۔ اس کی اپنی ایک مخصوص مطلق العنان حکومت تھی۔ اور یہ کوئی طرز حکومت ہی نہیں ہے، یہ کسی بنیادی اصول پر مبنی نہیں ہے، کبھی تو وہ ہندوؤں کی دلجوئی کرتا اور کبھی مسلمانوں کی۔ فوجی اور غیر فوجی نظم ونسق کے لئے مختلف قوموں سے وہ اپنے وزراء کو نامزد کرتا تھا۔ جس کا کوئی تناسب باقاعدہ مقرر نہ تھا۔ اکبر کی حکومت کو ہندوؤں نے کبھی اپنی حکومت نہیں سمجھا اور اس میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ملک میں اگر کبھی ہندوؤں یا مسلمانوں نے کوئی شورش برپا کی تو وہ کسی بھی ہندو یا مسلمان وزیر کے ذریعہ اسے فرو کرتا۔ بس اسی قسم کی حکومت کو وہ (مسٹر ایمری) اس ملک میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

متحدہ ہندوستان کے معنی یہی ہیں کہ اس میں عوام کی کوئی آواز نہ ہوگی۔ صرف حکمران اپنی شاطرانہ چالوں اور توڑ جوڑ سے حکومت کرتے رہیں گے۔ یہی طرز حکومت اس وقت ہندوستان میں نافذ ہے۔ اور برطانی چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ کو اور دراز کیا جائے۔

وائسرائے کی عاملہ، دربار اکبری کے بدنام زمانہ نورتن کا ایک نقش موہوم ہے اس میں ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ سبھی ہیں اور ان کو وائسرائے نے اپنی کارا جرائی کے لئے نامزد کیا ہے۔

ادھر مسٹر ایمری تاریخ ہند پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف تھے اور متحدہ

ہندوستان کو تلقین کر رہے تھے اور ادھر لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند نے یہاں سات سال گزارنے کے بعد دفعتاً انکشاف کیا کہ ہندوستان ایک جغرافی وحدت ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی اس سے کس نتیجہ پر پہنچے گا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہندو مہاسبھا اکھنڈ ہندوستان کی قرارداد کانپور کو برطانی قدامت پرستوں کی خدمت میں سال نو کے تحفہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ان حالات میں آپ ہی بتائیے کہ میں اس بیہ تعطل کو کس طرح ختم کر سکتا ہوں ۸ ر اگست سے اب تک کانگریس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہر چند کے بہت سے کانگریسی جیل میں تھے۔ تاہم سب کے سب تو جیل میں نہیں تھے ہندو پریس تو جیل میں نہیں تھا۔

تاحال کسی ذہنی تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اور ان کے پیش نظر کوئی اہم تجویز بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ کانگریس کے اس موقف کی شدت سے حمایت کی جائے جو ۸ ر اگست کی قرارداد سے پیدا ہوا ہے اور ہندو مہاسبھا نے جسکی انتہائی جارحانہ انداز میں توثیق کی ہے۔

کیا سلیم الطبع اشخاص کی کوئی جماعت موجود نہیں ہے، ہندو فہم ورائے کی ایک ایسی مختار و مجاز جماعت جس کے پاس موجودہ تعطل کو ختم کرنے کی کوئی تجویز ہو؟ کیا کوئی ایسا صاحب الرائے ہے جو کسی قدر طمانیت دلا سکتا ہو اور کوئی ایسی تجویز پیش کرنے کا مجاز ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ اب ذہنیت تبدیل ہو چکی ہے۔ اور گفت وشنید کے ذریعہ اسلامی ہند اور مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے کی تمنا پیدا ہو چکی ہے؟

اب اگر آپ سارے موقف کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوا کہ موجودہ

تعطل کو دور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ ذہنی تبدیلی کے ذرا سے اشارے سے ایسا کر سکتے ہیں۔

وہ اختیار و مجاز جو مجھ سے منسوب کیا گیا محض قدر افزائی ہے جب انہیں جیل بھیجنے ہی کا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر میں جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں؟

سب سے آخر میں طلباء کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی تعلیم کا حرج کئے بغیر صرف چھٹیوں میں مسلمانوں کی معاشری اصلاح میں مصروف رہیں۔ اس کے علاوہ یہ بہت ضروری ہے کہ مسلم طلباء ہندوستان اور بیرون ملک کے سیاسی تغیرات سے پورے طور پر باخبر رہیں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کے اجلاس میں

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ارشاد فرمائی۔

حضرات! میں مسلم طلباء کو ہدایت کرونگا کہ وہ سیاسیات کا نہایت گہری نظروں سے مطالعہ کریں۔ سیاست تمہاری تعلیم کا ایک حصّہ ہے۔ مَیں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری سیاسی بیداری اور جدوجہد کے راستے میں چند شخصیتوں اور حکومت کی طرف سے روکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری متحدہ اور اَن تھک کوشش ملک کے اندر ایک انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ آپ اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ آپ کو مخالفتوں اور روکاوٹوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ مجاہدوں کی طرح اپنے عزم و استقلال کے ہتھوڑے سے راستے کے پتھروں کو ریزہ ریزہ کردو۔ تمہاری پیشقدمی جاری رہنی چاہیئے۔ آگے بڑھو۔ فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کے لئے بیتاب ہے۔

آپ کے سپاس نامہ میں یہ سُن کر مجھے دلی مُسرّت حاصل ہُوئی کہ آپ اپنی جماعت کے اندر تمام طبقوں کے درمیان اتحاد و تعاون کی اہمیّت کا احساس رکھتے ہیں۔ صرف آپ ہی کو اپنے صوبہ کے حکام کی روش کے خلاف شکایت

نہیں بلکہ اس قسم کی شکایات دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی ہیں۔ ہر صوبہ میں عوام حکام کے رویّہ سے نالاں ہیں۔ اگر آپ منظم اور متحد ہو کر اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کریں گے تو یقیناً بہتر نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اور حکومت آپ کے مطالبات سننے پر مجبور ہو سکتی ہے۔

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ لے رہا ہے۔ بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم و نسق کو بدلنے کے لئے عوام میں بیداری کی لہر اور جدّ وجہد کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری، آپ کی جدوجہد، آپ کی یکجہتی اور عزم و استقلال سے اس صوبہ کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز کیوں نہ ہوں۔

مَیں بہت ہی خوش ہوا ہوں کہ آپ ہندوستان کے سیاسی معاملات سے پوری پوری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ آنے والے انتخابات ہندوستان کی سیاست کا ایک نہایت اہم مرحلہ ہونگے۔ یہ وقت بہت بڑی آزمائش کا ہے۔ یہ آخری اور فیصلہ کن آزمائش ہے۔ ان انتخابات سے بہت سی گتھیاں وابستہ ہیں جو ان کے نتائج کے بعد حل ہو جائینگی۔ ان انتخابات ہی سے ہمیں بتانا ہوگا کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں۔ یا کانگرس کے اکھنڈ ہندوستان کے حامی ہیں۔

ہمارا پرزور مطالبہ یہ بھی ہے کہ انتخابات آزادانہ ہونے چاہئیں اور کسی قسم کا سرکاری دباؤ یا اثر استعمال نہ کیا جائے۔ ہم کانگرس کے مقابلہ میں نمایاں اکثریت

سے کامیاب و کامران ہونگے۔ کانگرس کے ساتھ چند مسلمان ہیں۔ وہ گنتی کے مسلمان ہیں۔ کانگرس اُنکے ذریعہ ملّتِ اسلامیہ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنیکی کوشش کر رہی ہے۔ کانگرس کے پاس دولت ہے۔ کانگرس کے پاس مضبوط اور طاقتور پریس ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ خدا ہے۔ انشاء اللہ ہم طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونگے (نعرہ ہائے تکبیر)

پنجاب میں ایک جماعت خفیہ طور پر ہمارے خلاف کوشاں ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پنجاب کا گورنر مسٹر گلانسی یونینسٹ پارٹی کی حمایت میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی پوری کوشش کریگا۔ انکی طرف سے ہر وہ کاروائی کیجائے گی جس سے مسلم لیگ کو ناکام بنایا جا سکے۔ مَیں بہانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ نوکر شاہی کی پروردہ یونینسٹ پارٹی کی طاقت کو پنجاب میں توڑ کر رکھ دیں گے اور ملّتِ اسلامیہ فتح و ظفر کا پرچم اُڑاتی ہوئی مخالفتوں کے گرداب سے اُبھریگی (نعرہ ہائے تکبیر)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "۱۹۴۲ء کی کانگریس تحریک سے مسلمان بالکل الگ تھلگ رہے" مَیں خوش ہوں کہ انہوں نے حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ مسلمانوں نے ۱۹۲۱ء سے لیکر ۱۹۳۱ء تک آزادی کی جدّوجہد میں نمایاں حصّہ لیا۔ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں۔ گولیوں کا نشانہ بنے۔ عمر قید اور پھانسی کی سزائیں پائیں۔ لیکن آج میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی ہدایات کے مطابق مسلمان ۱۹۴۲ء کی تحریک سے بالکل الگ رہے۔ اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ان کی نمائندہ جماعت ہے۔ (پر زور تالیاں)

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے اجلاس عام پشاور میں ۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کو
ارشاد فرمائی۔

معزز حضرات! سب سے پہلی بات جو آتے ہی مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ یہاں مسلمانوں کی کل ۳۸ نشستیں ہیں اور اس کے لئے ایک صد سے زیادہ درخواستیں آچکی ہیں۔ بورڈ کی اولین کوشش یہی ہو گی کہ بہتر سے بہتر امیدوار منتخب کئے جائیں۔

مسلمانوں سے یہ امید نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ غلامی کے لئے اپنا خون بہائیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں ہندوؤں کا غلام بننے کے لئے مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ ہونے دوں گا۔

حضرات! یہ فیصلہ کرنا لیڈر کا کام ہوتا ہے کہ اس کے پیرو کس وقت اپنے مخالفوں پر چوٹ لگانے کے قابل بنیں گے۔ ایک اچھا جرنیل اس وقت تک حملہ نہیں کرتا جب تک اُسے فتح کا یقین نہ ہو۔ یا کم از کم اسے عزت مندانہ شکست کا یقین ضرور ہونا چاہیئے۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ پہلے لوگوں کو گولیاں کھانے اور جیل جانے پر آمادہ کروں اور اس کے بعد جیل سے

نہایت معصوم انداز میں یہ اعلان کر دوں کہ اس معاملے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ اور جیل سے باہر آؤں تو لوگوں کی قربانیوں کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے کہ مسلمانوں نے قربانیاں نہیں کیں۔ ۱۹۲۱ء کی جدوجہد میں مسلمان پیش پیش تھے۔ ۱۹۳۰ء میں اسی صوبہ کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کی تھیں۔ لیکن اس کے برعکس ہندوؤں نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی مخالفت کی۔

میں نو سال کے بعد پشاور آیا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ پٹھانوں میں بہت ہر دلعزیز ہو چکی ہے۔ یہاں مسلمان کانگریس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ اب اس سازش سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔ مسلمان ایک خدا ایک کتاب اور ایک رسول میں یقین رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش یہ ہے کہ ان کو ایک سٹیج پر ایک جھنڈے تلے جمع کیا جائے۔ یہ جھنڈا پاکستان کا جھنڈا ہے۔

ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے۔ نہ ہندو بنیئے پر۔ ہم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔

کانگریس کے لیڈر جو ہر سال یوم آزادی منایا کرتے ہیں اور "ہندوستان خالی کر جاؤ" کے نعرے میں یقین رکھتے ہیں۔ شملہ کانفرنس میں لارڈ ویول کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہوئے نظر آئے۔ ہندو مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے

تھے۔ لیکن اس قسم کی کوششیں اب مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتیں۔ شملہ کانفرنس میں، کانگرس کا حقیقی مقصد مسلم لیگ، کو خوفزدہ کرنا تھا۔ اور جب کانگرس مسلم لیگ، کو جھکانے میں ناکام رہی، تو اُس نے لارڈ ویول کے بُوٹ چاٹنے شروع کر دئیے۔ تاکہ وائسرائے یہ اعلان کر دے کہ حکومت بھی لیگ کے خلاف ہے۔ لیکن، کانگرس یہاں بھی ناکام رہی۔

میں ایک، بار پھر اپیل، کروں گا کہ جن لوگوں، کو انتخابات میں حصہ لینے کے لیے مسلم لیگ، بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملا وہ بھی لیگ کی کامیابی کے لئے کوشش کریں۔ اگر انہوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیر اعظم یا وزیر بننے کے لئے زندہ نہ رہ سکیں گے۔

(پُر زور تالیاں)

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے عام اجلاس میں
۱۲ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! آپ نے ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے کی تھیلی پیش کر کے مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں کامل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کے اس جوش کو دیکھ کر میں قلبی مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے پچھلے دنوں آسام اور بنگال میں بہت زور شور سے تقریریں کی ہیں۔ حقیقت میں یہ تنگ مزاج پنڈت کوئی نئی چیز سیکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے ان لوگوں کا دماغ درست کر دیا ہے۔ اگر صوبائی انتخابات آزاد ماحول میں ہوئے تو مسلم لیگ کو ہر صوبے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کو علم ہے کہ انہیں صوبائی انتخابات میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ وہ مسلم لیگ کے ورکروں اور حامیوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کرینگے اور اس طرح ملک بھر میں فسادات کرائیں گے۔ لیکن میں مسلمانوں سے اپیل کرونگا کہ وہ صوبائی انتخابات کے سلسلہ میں بھی اسی ضبط کا مظاہرہ کریں،

جس کا مظاہرہ انہوں نے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے دوران میں کیا۔
مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں ہم نے اپنی جدوجہد کی پہلی منزل طے کر لی ہے۔ کانگریس نے نہایت بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ اسے دیانتداری کیساتھ کانگریس ٹکٹ پر کسی مسلمان کو کھڑا کرنیکی جرأت نہیں ہوئی۔ کانگریس نے یہ راہ فرار کیوں اختیار کی؟ اسے خوب معلوم تھا کہ نوشتۂ تقدیر ہیں ان کیلئے وہی ناکامی لکھی ہوئی ہے جو اُس کے نام نہاد قوم پرست حلیفوں کے حصّہ میں آئی۔ وہ اب مُنہ کی کھا چکے ہیں۔ مسلمان بتا چکے ہیں کہ وہ پاکستان اور صرف پاکستان چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ آخری فیصلہ ہے۔ مسلمان دُنیا پر یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی ہند بیدار ہو چکا ہے۔

پنڈت نہرو اپنی تقریر میں فرما چکے ہیں کہ کانگریس کے انتخابی منشور میں ہندوستان کے مستقبل کا واضح خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت نہرو ہندوستان میں کس قسم کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ آج وہ آزادی کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ کیا سرزمین ہندوستان میں ایک انسان بھی ایسا موجود ہے جو اس برّ اعظم کی آزادی و خود مختاری کا حامی نہیں؛ ہمارے پیش نظر اصل سوال یہ ہے کہ کانگریس حکومت کا انتظام و انصرام کسے سونپنا چاہتی ہے؟ ہم پوری طرح جانتے ہیں کہ کانگریسی زعما اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ یہاں "کاسٹ ہندو" کانگریس کی حکومت چاہتے ہیں۔

پنڈت نہرو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ کانگریس نے مسلم لیگ سے مصالحت کرنیکی کوشش کی۔ لیکن اسکی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کانگریس خواب و خیال کی دُنیا میں رہنا چاہتی ہے اور اس طرح مسلمانوں

کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ تو میں فخر کیساتھ کہونگا کہ اگر اسکی کوششیں ناکام ہوئی ہیں تو نہایت ہی اچھا ہوا ہے۔ جبتک کانگریس خواب و خیال کی دنیا میں رہیگی اسے آزادی کی جدوجہد میں اپنا قدم آگے بڑھاتے میں ناکامی ہی رہیگی۔

اگر قوم پرست مسلمان واقعی دیانتدار ہیں تو انہیں مسلم لیگ کی دشمن کانگریس کی پناہ چھوڑ دینی چاہیے۔ وہ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں شریک ہوں اور اسکی رہنمائی کریں۔ اگر انہیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے اختلاف ہے تو انہیں مسلم لیگ میں آکر اسکی پالیسی اور پروگرام کی تشکیل کرنی چاہیے۔ یا وہ علیحدہ آزاد جماعت قائم کریں اپنی پالیسی اور پروگرام مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ یہ خودکشی کی پالیسی ترک کر دیں۔ اگر مسلمان ان کے پروگرام سے متفق ہو گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ مسلم لیگ کی پالیسی نقصان دہ ہے تو وہ ان کی تائید پر آمادہ ہو جائیں گے۔

مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے طبقۂ امراء پر مشتمل نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ کی پشت پناہی عوام الناس کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی قومی بیداری کی وہ طوفانی لہر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہم پاکستان کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں گے۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے حبیبیہ ہال لاہور میں ۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو
ارشاد فرمائی۔

میں شروع ہی سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی لیتا رہا ہوں۔ آپ نے مسلم لیگ کے لئے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور پاکستان کو مسلم عوام تک پہنچانے کے لئے جو قربانیاں پیش کی ہیں۔ میرے پاس ان کی تعریف و ستائش کے لئے الفاظ نہیں۔ میرے پاس میڈل، وکٹوریہ کراس، مرتبے نہیں جو تمہیں دے سکوں۔ تمہارا انعام یہ ہے کہ تم نے اپنے قومی نصب العین ــــــ پاکستان ــــــ کی خاطر اپنی ملت کی مخلصانہ اور بے غرضانہ خدمت کی ہے۔

میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ مختلف حلقہ ہائے انتخاب میں جاؤں۔ یہ کام ناممکن ہے۔ میں پنجاب اس لئے آیا ہوں کہ دیکھوں اس محاذ جنگ کی کیا حالت ہے۔ آپ کی مشکلات کا جائزہ لوں۔ آپ کے سامنے کوئی منظم طریق کار پیش کروں اور دیکھوں میں کس طرح آپ کی عملی امداد کر سکتا ہوں۔

آپ کے لیڈروں اور مسلم عوام سے ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر

پہنچا ہوں کہ پنجاب میں ایک انقلاب آرہا ہے۔ پنجاب کی سیاسی تاریخ میں آج تک ایسے واقعات کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ چند سال پہلے یہاں لوگ پاکستان کا نام لینے سے ڈرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مارچ ۱۹۴۱ء میں آپ اس شہر لاہور میں پاکستان کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے تو آپ کے دل دھڑک رہے تھے۔ اور روحیں پژمردہ تھیں۔ یہ مارچ کا مہینہ تھا۔ مَیں نے آپکو مخاطب کرتے ہُوئے کہا تھا۔ "march on" —— بڑھے چلو۔ اور آپ بڑھتے چلے گئے۔ پنجابی عوام اپنے لئے جو خطرات محسوس کر رہے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب دیہاتی بھی اس نوکر شاہی سے خائف نہیں۔ جس نے آج تک پنجاب کو اپنے پنجۂ استبداد میں بُری طرح جکڑے رکھا۔ آپ نے عوام کو آزادیٔ خیال وتقریر سے روشناس کرایا۔

اب پاکستان کوئی معمہ نہیں۔ بلکہ اب بچہ بچہ مطالبہ پاکستان کی اہمیت کو سمجھ گیا ہے۔ میرے پاس ایک بچہ دستخط حاصل کرنے کیلئے آیا۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا۔ "تم میرے دستخط کیوں حاصل کرنا چاہتے ہو؟" بچے نے کہا۔ کیونکہ آپ مسلم لیگ کے صدر اور مسلم قوم کے قائد ہیں۔ مَیں نے کہا۔ پھر کیا ہُوا۔ وہ بولا۔ آپ ہمیں پاکستان لے کے دینگے۔ مَیں نے پُوچھا۔ پاکستان کیا ہے۔ اُس نے پیارے انداز میں جواب دیا۔ "ہمارا گھر ہوگا۔ جہاں ہم چین اور خوشحالی سے زندگی بسر کرینگے۔" آج ان ننھے بچوں کو پاکستان سمجھ میں آگیا ہے مگر جواہر لال نہرو ابھی تک پاکستان کو نہیں سمجھ سکے۔

مجھے علم ہے کہ آپکے راستہ میں بیشمار مشکلات حائل کیجارہی ہیں۔ انتخابات میں سرکاری افسران کی طرف سے اندھا دُھند، بھیانک اور مجرمانہ مداخلت جاری

ہے۔ پنجاب کے کونے کونے سے اس مداخلت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے۔ اخبارات میں کالم کے کالم سیاہ کئے جارہے ہیں گورنر کے پاس بیشمار وفد بھیجے گئے لیکن سرکاری مشینری کے کل پرزوں نے اس شرمناک طریق کار کو ترک نہ کیا۔ جس کا مقصد ہندوستان میں اسلامی مفاد کو سراسر نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت میں یہ "خضر گلینسی ایکسز" ہے۔ جو لیگ کے خلاف یہاں سرگرم عمل رہے۔

میں نے حال ہی میں وائسرائے سے ملاقات کے دوران میں اس تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ لیکن ہمارے ہر قسم کے احتجاج اور اخبارات کی تنقید کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ کیا یہ واقعات ہماری دل شکنی کا موجب ہونگے؟ نہیں اس سے ہمارا حوصلہ پست نہیں ہوگا۔ ممکن ہے ہم شرانگیزوں کی سازشوں کا فوری سد باب نہ کر سکیں۔ لیکن یوم مکافات آرہا ہے۔ اور مجرم قانون و انصاف کے آہنی پنجوں سے نہیں بچ سکیں گے۔ انصاف کی گرفت نہایت سخت ہوگی۔

پنجاب میں ہمارا پہلا دشمن۔ یونینسٹ پارٹی۔ مات کھا چکا ہے۔ یونینسٹ پارٹی آخری سانس لے رہی ہے۔ خضر تو محض گلانسی کا ایک ادنیٰ اپٹھو ہے۔ ہم تو پنجاب میں نوکر شاہی سے لڑ رہے ہیں۔ ہر ایماندار پنجابی کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی مسلم لیگ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ وہ پنجاب میں نوکر شاہی کے قلعہ کو مسمار کر رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب اس صوبے میں نوکر شاہی کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مسلمانوں کی دوسری دشمن جماعت آل انڈیا نیشنل کانگریس ہے۔ جو اپنے تئیں

تمام ہندوستانی عوام کی نمائندہ جماعت تصور کرتی ہے۔ برسوں سے کانگرس یہ غلط پروپیگنڈا کر رہی تھی کہ مسلم لیگ نوابوں، نواب زادوں اور خطاب یافتگان کی جماعت ہے۔ اپنے کارکنوں، سرمایہ اور دیگر وسیع ذرائع سے کانگرس بیرونی ممالک میں بھی یہی پروپیگنڈا کرتی رہی کہ مسلم عوام اس کے ساتھ ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کانگرس اس وقت کہاں تھی جب مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہو رہے تھے۔ جب اُس نے مرکزی اسمبلی کے لئے اپنے امیدواروں کی پہلی فہرست شائع کی تو اس میں کسی امیدوار کا نام شامل نہیں تھا۔ جب میں نے اعلان کیا کہ کانگرس میدان چھوڑ گئی تو دوسری فہرست میں دو تین مسلمانوں کے نام بھی شامل کر لئے گئے۔ کانگرس نے بلیک مارکیٹ سے کمائے ہوئے لاکھوں روپے غیر لیگی امیدواران پر صرف کر ڈالے۔ مکروہ طریقوں سے حاصل کردہ دولت مکروہ مقاصد کے لئے صَرف کی گئی۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا۔ مسلم لیگ کو اِن انتخابات میں سو فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔ کانگرس اب بالکل خاموش ہے۔

سردار پٹیل نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب ہو گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ یہ انتخابات نہیں کرینگے۔ کانگرس نے تو مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں لیگ کا مقابلہ ہی نہیں کیا۔ میں کانگرسی لیڈروں سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں لیگ کا مقابلہ کرنے سے کس نے روکا تھا۔ تم دنیا کو گزشتہ سات آٹھ سال سے یہ کہہ کر دھوکا دیتے رہے ہو کہ تم مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہو۔ اب تم نے مسلمان امیدوار کیوں نہ کھڑے کئے؟ اب تم نے بزدلی کیوں کی؟ اب بیرونی دُنیا بھی لیگ کی سو فیصدی کامیابی پر حیران و ششدر رہ گئی ہے۔

پنجاب پراونشل مسلم لیگ صرف دو برس سے عملی طور پر میدان میں آئی ہے۔ جبکہ ہم نے بدبخت یونینیسٹ پارٹی سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ اس سے پہلے ہمارے کیمپ میں غدار اور کوئزلنگ تھے۔ جو لیگ کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن سعی کرتے رہے۔ آپ کے لیڈروں نے مسلسل کام کیا۔ اس دوران میں انہیں ہر طرف سے مشکلات کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ ہر طرف دشمن تھے۔ دوست کوئی بھی نہ تھا۔ آپ کے لیڈروں نے متحد ہو کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور انہیں حیران کن کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

ہم ہندوؤں سے حصولِ پاکستان کے لئے التجا نہیں کرینگے اور نہ ہی کر رہے ہیں۔ وہ تو خود غلام ہیں۔ ہم پاکستان انگریز کے ہاتھوں سے چھیننا چاہتے ہیں جو برسر اقتدار ہیں۔ پاکستان صرف مسلمانوں کی آزادی نہیں یہ تمام برِ اعظم ہندوستان کی آزادی کا ضامن ہوگا۔ ہندو تمام ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ "جے ہند" "بھارت ماتا" اور اکھنڈ ہندوستان کے خواب فضول دیکھ رہے ہیں۔ ہم ہندو امپیریلسٹ راج سے کامل نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک آزادی کا تعلق ہے وہ پاکستان کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے آزاد ہند فوج کے مسئلہ پر مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی
میں ۱۲ار فروری ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی۔

ایوان کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ آزاد ہند فوج کے سلسلہ میں حکومتِ ہند کی پالیسی کیا ہے؟ مَیں کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا نہیں چاہتا۔ جو حالات کو زیادہ ابتر بنانے کی موجب ہو۔ میری رائے میں یہ مقدمات چلا کر حکومت نے شدید غلطی کا ارتکاب کیا۔ مقدمات کے بعد حکومت نے سزاؤں میں تخفیف کر دی اور اسیروں کو دوسری صبح ہی رہا کر دیا۔ اس کی آخر وجہ کیا تھی؟ تم نے یہ تمام کارروائی محض اس لئے کی کہ (جیسا کہ مسٹر بیسن نے کہا ہے) اس سے سیاسی مفاہمت کے لئے فضا سازگار ہو جائے گی۔ آزاد ہند فوج کے افسران کے خلاف مقدمہ چلانے پر ملک بھر میں زبردست احتجاج ہوا، بلکہ بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس حالت نے تم پر خوف طاری کر دیا اور تم نے مجبور ہو کر تمام سزا کی معافی کا اعلان کر دیا۔ مَیں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ تم نے آزاد ہند فوج کے چند افسروں کو رہا کر کے غلطی کی، بلکہ مَیں صرف یہ کہنا

چاہتا ہوں کہ تم نے ان کے خلاف مقدمہ چلا کر سرے سے غلطی کیوں کی؟ - اب تم اپنے آپ کو ایک مضحکہ خیز پوزیشن میں دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی پالیسی تبدیل کرنا چاہتے ہو۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم رشید[1] کو قربانی کا پہلا بکرا بنانا چاہتے ہو۔ لیکن یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو گا۔ تمہیں چند اور لوگ بھی مشق ستم ڈھانے کو مل جائیں گے۔ شاہنواز[2] کے خلاف قتل اور اعانت قتل کے الزامات تھے۔ لیکن رشید کے خلاف شدید زخمی کرنے کا الزام ہے۔ ان دونوں الزامات سے کون سا الزام زیادہ شدید ہے؟ - شاہنواز اور اس کے ساتھی رہا کر دئے گئے۔ اب رشید کو تبدیل کردہ پالیسی کا شکار کیوں بنایا گیا؟

مسٹر ڈمیسن۔ پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

مسٹر جناح۔ تم نے یقینی طور پر اپنی پالیسی تبدیل کی ہے۔ میں تمہیں پورے زور سے نصیحت کرتا ہوں کہ سابقہ پالیسی پر ہی گامزن رہو۔ آزاد ہند فوج کے تمام افسران کو بلا چون وچرا رہا کر دو۔

میں نے رشید کے مقدمہ کے تمام ریکارڈ کا مطالعہ کیا ہے۔ رشید پر تشدد کا جو الزام عاید کیا گیا ہے میں قطعاً اس سے متفق نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے کئی سال قانون کے پیشہ میں صرف کئے ہیں۔ اور میرا یہ دعوےٰ ہے کہ اگر آپ رشید کے مقدمہ کے تمام ریکارڈ کا مطالعہ کرینگے تو آپ بھی بالکل اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس پر میں پہنچا ہوں۔ رشید پر

---

[1] کیپٹن عبدالرشید۔ [2] جنرل کیپٹن شاہنواز۔

شاہنواز اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہیمیت کا زیادہ الزام عاید نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت کو یہ نہیں چاہیئے کہ وہ کسی واحد شخص کو سزا کے لئے منتخب کرے۔ اسے تمام لوگوں کو رہا کر دینا چاہیئے۔

پاکستان میں میری فوج دیانت دار، وفادار اور قابل اعتماد ہوگی۔ اور اگر میری فوج کا کوئی سپاہی ان اصولوں پر پورا نہیں اترے گا تو اس کا حشر وہی ہوگا جو "ولیم جائس" کا ہوا۔

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے کل ہند لیگ ممبران اسمبلی کی کنونشن منعقدہ دہلی
میں ۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ہم پاکستان کے بُنیادی اصُول اور اس کی کامل خود مختارانہ حیثیت کو خطرہ میں ڈال کر ہرگز کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ ہم ایک دستور ساز اسمبلی کو نہیں مان سکتے۔ کیونکہ اس کا مطلب مسلمانوں کی موت کے وارنٹ پر دستخط کرنا ہے۔ جب تک پاکستان کو نہ مان لیا جائے ہم کسی عارضی حکومت میں بھی شریک نہ ہوں گے۔ اگر کوئی عارضی حکومت اور واحد نمائندہ اسمبلی ہم پر مسلط کی گئی تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ہم ہر ممکن ذریعہ سے اس کی مخالفت کریں۔

خواتین و حضرات!

"اسلامی ہندوستان" تمام ملک کے لیے صرف ایک مجلس دستور ساز کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔ وہ پاکستان کا اصُول تسلیم ہو جانے سے

پہلے کسی عارضی حکومت کا آئین بھی تسلیم نہیں کرے گا - جہاں تک اسلامی ہند کا تعلق ہے وہ اکھنڈ ہندوستان کو قبول کرنے کا تصوّر تک نہیں کر سکتا - اگر مسلمانوں کی خواہشات کے خلاف ہم پر کوئی فیصلہ ٹھونسا گیا تو ہم ہر ذرائع سے اس کا مقابلہ کریں گے - ہم ہر چیز قربان کر دیں گے لیکن کوئی ایسی سکیم قابل قبول نہ ہو گی جو ہماری رضامندی کے بغیر تیار کی جائے گی -

میں نے غیر سرکاری حیثیت میں وزیر ہند سے طویل گفتگو کی - اس کے بعد سرکاری طور پر تمام ممبران وزارتی مشن سے بات چیت کی - سر دست میں آپ کو اس بات چیت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے حل سے متعلق مختلف مسائل پر نہایت آزادی اور دوستی کے ماحول میں تبادلۂ خیالات ہوا - جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم پاکستان کے بنیادی نکات اور اس کی کامل خود مختاری کے سلسلہ میں گر کر کوئی سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں - ہم واحد مجلس دستور ساز منظور نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنی ہی موت کے وارنٹ پر دستخط کرنے کے مترادف ہو گا - اور جب تک پاکستان کو علی حالہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، ہم کسی عارضی نظام حکومت کی تجویز پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے - اگر کوئی عارضی انتظام اور آئین ہم پر ٹھونسا گیا تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو گا کہ ہم ہر ممکن طریقے سے اس اقدام کا مقابلہ کریں -

اب کنونشن نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آئندہ قدم کیا اٹھایا جائے۔ مسلم عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے آپ کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری کا بار ہے۔ ہم نے واضح الفاظ میں اپنے عوام کے سامنے یہ بتانا ہے کہ ہم کس اصول کے علم بردار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوگا۔ ہم اس کے لئے ہر ممکن جدوجہد کریں گے۔ اگر ضروری ہوا تو ہم اس کے لئے مرنے کو بھی تیار ہوں گے۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ ہمیں پاکستان حاصل کرنا ہوگا۔ نہیں تو ہم مٹ کر رہ جائیں گے۔

اب میں زعمائے کانگرس کے تازہ بیانات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کے جواب میں سردار پٹیل فرماتے ہیں۔

"مسلم لیگ کو مطمئن کرنے کے لئے کانگرس اس پر آمادہ ہے کہ صوبوں کی انئے سرے سے حد بندی ہو اور ان علاقوں کو مکمل آزادی حاصل ہو جائے جہاں مسلمان بھاری اکثریت میں بستے ہیں۔ لیکن مرکز کا ایک اور مضبوط ہونا لازمی شرط ہے۔ کیونکہ یہ تمام ہندوستان کے دفاع کے لئے اشد ضروری ہے۔ کانگرس دو قوموں کے نظریہ سے بھی کبھی متفق نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی وہ مذہب کی بنا پر قومیت کا وجود تصور کرنے پر تیار ہوگی۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا ہے :-

" ہندوستان کے مسئلہ کا صحیح حل یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی جلد از جلد تسلیم کی جائے ۔ اور ہندوستانیوں کو اپنے اختلافات ختم کرنے کے لئے انہیں اپنے ہی حال پر چھوڑ دیا جائے ۔ اور کوئی بیرونی مداخلت گوارا نہ کی جائے ۔ تیسرے فریق کی موجودگی میں اختلافات کا صحیح جائزہ لینا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے ۔ جونہی ہندوستانیوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ ہندوستان ایک آزاد وحدت کے طور پر آزادی کی منزل تک پہنچنے والا ہے تو تمام اختلافات روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے ۔ ہندوستان کی آزادی تسلیم کئے جانے کے بعد ہندوستان میں ایک مجلس دستور ساز قائم ہو گی ۔ جسے کامل اختیارات ہوں گے "

حضرات!

اگر آپ اس تمام فارمولے کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا ۔ کہ کانگریس دراصل کیا چاہتی ہے ۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ سب سے پہلے برطانوی حکومت ہندوستان کو آزادی عطا کر دے ۔ اور مرکز میں کانگریس کی مرضی کے مطابق ایک قومی حکومت قائم ہو ۔ جس میں ہندوستان کے فوجی اور شہری نظم و نسق کی مشینری کانگریس کے حوالے کرنے کے بعد وہ خود علیحدہ ہو جائے ۔ کانگریس ہندوستان میں کامل

اقتدار اور اختیارات حاصل کر لینے کے بعد ایک مجلس دستور ساز مبلائیگی جو آزاد و خود مختار ہوگی۔ اور اس بر اعظم کے چالیس کروڑ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرے گی۔ پنڈت نہرو کہتے ہیں کہ مختلف قوموں اور عناصر کو اس مجلس دستور ساز کے فیصلے کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔

حقیقت حال ہمارے سامنے ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ کانگریس کی عارضی قومی حکومت یا پنڈت نہرو کے ڈھب کی نام نہاد مجلس دستور ساز احترام اور اطاعت کی سزاوار تصور کی جائے گی۔ سراسر حماقت ہے۔ اگر کسی ایسی چیز کو عملی جامہ پہنایا گیا اور نہرو کی آرزوؤں کی تکمیل میں کوئی اس قسم کی حکومت قائم کر دی گئی تو یہ دو دن بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ ہندوستان کے چالیس کروڑ عوام کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے نہرو کی فاسشٹ گرینڈ کونسل کو تمام اختیارات تفویض کر دینا ہمالہ جیسی غلطی ہوگی۔

کانگریس کو اس سکیم کے لغو اور بیہودہ ہونے کا کوئی احساس نہیں ہے۔ حالانکہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان آج تک سیاسی یا سماجی اتحاد نہیں ہو سکا۔ کانگریس جس متحدہ قومیت کی آڑ لے رہی ہے، اس کا وجود تک موجود نہیں۔ ہمارا فارمولا بالکل طے شدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بر اعظم کو ہندوستان اور پاکستان کی دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

پاکستان کے بنیادی اصول تسلیم کئے جانے کے بعد ہی ہم کسی آئندہ اقدام پر غور کر سکیں گے۔ ہندوستان آبادی اور رقبے کے اعتبار سے چین کے علاوہ تمام دنیا کے ممالک سے بڑا ہے۔ ہم صرف ایک چوتھائی ہندوستان پر قابض ہوں گے اس طرح ہم اپنے نظریات اور کلچر کے بموجب زندگی بسر کر سکیں گے۔ کانگریس کا مطالبہ تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پر وہ کانگریس مسلط ہو جائے گی جو یہ اعلان کر رہی ہے کہ برطانوی راج کے بعد وہی ہندوستان کا اقتدار حاصل کرنے کی مقدار ہے۔ اسلامی ہند اس پوزیشن کو کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔

برطانیہ کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ کہ اگر وہ کانگریس کے ہاتھ تمام اقتدار نہیں دے دیگا، تو یہاں خونریزی ہوگی اور برطانوی تجارت کا تہس نہس کر دیا جائے گا۔ اگر بدقسمتی سے برطانیہ کو خونریزی کے ہوّے سے مرعوب کر لیا گیا تو اس دفعہ اسلامی ہند بھی خاموش نہیں رہے گا۔ اسلامی ہند تمام خطرات کا مقابلہ کرے گا۔

اگر برطانیہ نے تجارتی مراعات کی خاطر مسلمانوں کو بیچنا منظور کر لیا تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مسئلہ سے تمام خریداروں کا تعلق ہے۔ کانگریس کے سرپرست ہندو سرمایہ دار ہی اس سلسلہ میں کامل طور پر با اختیار نہیں ہیں۔ انگریزوں کا سامان زیادہ تر مسلمانوں میں کھپتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ برطانیہ کے تاجرانہ رجحانات انہیں کانگریس کی طرف سے پیش کردہ دلکش مواعید اور تجارتی پیشکشوں کے جال میں

نہیں اُلجھائیں گے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں اور دُوسری اقلیتوں کے لاکھوں عوام کو خیالی امّیدوں اور منڈیوں، کامرس اور تجارت کی خاطر بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے تو برطانیہ کی تاریخ میں یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ اور یہ کوشش کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگی۔

خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کیونکہ ہمارا مطالبہ بالکل جائز اور مناسب ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں حصُول پاکستان سے باز نہیں رکھ سکتی۔ صرف اتحاد کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے چلے جائیں گے۔ اور بالآخر پاکستان قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

قائدِ اعظم

کی افتتاحی تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں
۲۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی

خواتین و حضرات! ساڑھے تین ماہ کی گفت و شنید کے دوران میں اور ہندوستان سے وزارتی مشن کی روانگی کے بعد جو واقعات ہو گزرے ہیں، اُن کی روشنی میں مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہُوں کہ برطانی حکومت کے قول کا اعتبار ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ایک عشرے کے اندر اندر برطانی حکومت کے نمائندے اپنے قول و اقرار سے بدل گئے۔ وزارتی مشن کانگرس کی دیوی خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ عارضی حکومت کی تشکیل کو طاق النسیان پر رکھ دیا۔

میرے احساسات یہ ہیں کہ مُسلم لیگ کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ صرف اپنی موت پر بھروسہ کرے۔ اور میری تلقین یہ ہے کہ ہمارا ماٹو ڈسپلن، اتحاد اور ملّی قوت پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ میں کافی طاقت موجود نہیں تو اسے پیدا کیجیے۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو وزارتی مشن اور برطانی حکومت کو کانگرس کی دھمکیوں کا کشتہ بننے سے رہائی اور نجات

دلائی جا سکتی ہے۔ کانگرس کی دھمکی کا خلاصہ یہ ہے کہ جدوجہد شروع کردی جائے گی۔ اور عدم تعاون کا مورچہ لگ جائے گا۔ مجھے یہ عرض بھی کر لینے دیجئے کہ مسلم لیگ نے مناسب طرزِ عمل اور انصاف کا مطالبہ کیا لیکن وزارتی مشن کانگرس کے تار پر رقص کرتا رہا۔

مَیں کہتا ہُوں کہ کانگرس نے آئینی مذاکرات میں چھوٹی چھوٹی حیلہ تراشیوں اور حجت بازیوں سے ہندوستان کے باشندوں کو جن میں اکثریت اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ہے، شدید ترین نقصان پونچایا ہے اور کانگرس کے دل میں مسلمانوں کے متعلق انتہائی انانیت موجود ہے۔ کانگرس کی ہٹ دھرمی کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ دہلی میں مکمل نوکر شاہی اور مطلق العنان حکومت قائم ہو گئی ہے۔ اور ہندوستان کی ترقی چالیس سال پیچھے ہٹ گئی ہے۔

کانگرس والے اس وہم میں مبتلا ہو کر بغلیں بجاتے ہیں کہ ہم دستور ساز اسمبلی کو خود مختار اور آزاد مجلس بنا لیں گے۔ حالانکہ یہ وہی دستور ساز اسمبلی ہے جس کے داعی وائسرائے ہیں اور جس کا ڈھانچہ تیار کرنے والی برطانی حکومت ہے۔ کیا پنڈت جواہر لال نہرو کے طفلانہ بیان اسے آزاد اور خود مختار بنا سکیں گے۔

پنڈت نہرو اپنے بیان میں کہہ چکے ہیں۔ کہ کانگرس سرکاری دستاویز کے انیسویں پیراگراف کی پابند نہیں ہے۔ جو گروپ بندی کے قواعد پر حاوی ہے۔ اور جو دستور ساز اسمبلی کے فرائض کے لئے حجت ہے۔

مسلم لیگ کے نقطۂ نگاہ سے اس سکیم کا اہم حصّہ بی اور سی گروپ کی حلقہ بندی ہے اور یہ وہی حصّہ ہے جس کی تردید کانگرس کا نظریہ ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے مجموعی ڈھانچے میں کانگرس کو اکثریت حاصل ہے۔ اور وہ اسی گھمنڈ میں یہ توقع کئے بیٹھے ہیں کہ وہ ہر وہ فیصلہ کرلیا کریں گے جو اس اکثریت کے حسب منشا ہو۔ اس کے علاوہ کانگرس ایسا طرز عمل اختیار کر سکے گی جس کی دستور ساز اسمبلی مجاز نہ ہو۔ اور جو اس مجلس کے حقوق اور اختیارات کی رُو سے ناجائز ہو۔

قصّہ مختصر یہ کہ کانگرس کی پوزیشن کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

"ہم کسی بات کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے دستور ساز اسمبلی میں جا رہے ہیں۔ اور ہم میٹھی خواہش کے مطابق من مانی کارروائی کرتے رہیں گے۔ اور ہمارے پاس اسکی دلیل میں وہ تاویلات ہوں گی جن کا اعلان ہم دُنیا کے سامنے کر چکے ہیں"

حضرات! کانگرس کے اس طرز عمل نے ایک ایسی صورت حالات پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے لیگ کونسل کے اجلاس کا طلب کیا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں لارڈ پیتھک لارنس پارلیمنٹ کے ایوان امرا میں اعلان کر چکے ہیں کہ" ہندوستانی پارٹیاں ان شرائط سے باہر نہیں جا سکتیں جن پر سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ دوسری پارٹیوں

کے لیے غیر منصفانہ ہوگا"۔ آپ جانتے ہوں گے کہ اس معصومانہ وضاحت کے علاوہ اور کوئی شرط موجود نہیں ہے جو کانگرس کو اسمبلی میں خلاف قانون کارروائی کرنے سے روک سکے۔ مشن کو اس کا علم تھا، بلکہ انہیں اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ کانگرس نے دستور ساز اسمبلی کو تحفظات کے ساتھ منظور کیا ہے اور سکیم کے بعض بنیادی اصولوں پر کانگرس نے اپنی تاویلات کو حاوی کر لیا ہے۔

میں اور نواب زادہ اپنے بیان میں اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں۔ ایوان اُمرا کی بحث سے پہلے برطانی حکومت ان امور واقعہ سے واقف تھی۔ اس کے باوجود لارڈ پیتھک لارنس نے "امید" کی معصوم اصطلاح پر قناعت کر لی ہے۔ کیا اس طریق کار سے وزارتی مشن کی جو ساڑھے تین مہینے یہاں گزار چکا ہے کوئی ذمہ داری نمایاں ہوتی ہے؟ پنڈت نہرو ۲۳ جولائی کو دہلی کے جلسہ عام میں اعلان کر چکے ہیں کہ اگر ہم دستور ساز اسمبلی میں اصلاح و ترمیم نہ کر سکے تو اُسے ہم ختم کر دیں گے۔ جب بعض اخبارات نے پنڈت جی کے اس جملے کو جذباتی قرار دیا تو پنڈت جی نے پوری ذمہ داری کے ساتھ انہیں دہرایا۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ کانگرس دستور ساز اسمبلی کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے گی اور اگر ضرورت ہوئی تو اُسے فنا کے گھاٹ اتار دے گی۔

میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہم نے اتمام حجت کر دیا ہے۔ اب امداد یا دھارس کے لئے کسی غیر کی جانب دیکھنا عبث ہے۔ کوئی ایسی عدالت

نہیں جس سے ہمیں انصاف کی توقع ہو سکے۔ اب اگر کوئی ٹریبونل ہے تو وہ ملتِ اسلامیہ ہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اسلامیانِ ہندوستان پریشان نہیں ہوں گے۔ مَیں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہُوں کہ مسلم لیگ نے ساری مذاکرات کے دوران میں باعزت انجمن کی طرح اپنا پارٹ ادا کیا۔ ہم بلند اصُول کی بنا پر بات چیت کرتے رہے، ہم رعایت پر رعایت دیتے چلے گئے۔ اس لئے نہیں کہ ہم گھبرا گئے تھے بلکہ اس لئے کہ ہماری انتہائی خواہش یہ تھی کہ کوئی ایسی مفاہمت ہو جائے جو نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے بلکہ اس برّ اعظم میں بسنے والی ہر ایک قوم کے لئے آزادی کا قبالہ ثابت ہو سکے۔ مگر کانگرس کنجڑی کی طرح کھڑی رہی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کو زیر کر لیا جائے۔

عبوری حکومت کے معاملہ میں وزارتی مشن اپنے اقرار سے پھر گیا ہے۔ مشن آج مفلوج ہو چکا ہے۔ اور اس کا جھٹکا کر لیا گیا ہے۔ کانگرس ایسے کھوٹے ہتھیاروں پر اُتر آئی ہے کہ جن کے استعمال سے کسی عام انسان کو شرم و خجالت کا احساس ہوگا۔ مَیں کانگرسیوں سے پُوچھتا ہُوں۔ کیا تم میں اتنی بھی جُرأت اور عزیمت نہیں کہ تم یہ کہہ سکو "ہم ان تجاویز کو قبول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے اصُول اور نصب العین کے خلاف ہے"؟

۲۴ر جُون کی رات کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے طویل المیعاد اور قلیل المیعاد دونوں قسم کی تجاویز کو مسترد کر دیا تھا۔ ۲۵ر جون کو علی الصبح اَن تھک کرپس بھنگیوں کی نو آبادی میں پہنچے۔ اور گاندھی جی کو نیند سے بیدار کیا۔ مگر

یہاں کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ کرپس صاحب واپس پہنچے اور لارڈ پیتھک لارنس کو ولبھ بھائی پٹیل کے پیچھے لگا دیا۔ جو کانگرس میں سب سے زیادہ قومی شخصیت ہے۔ انہوں نے ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جس میں کانگرس کو ترغیب دلائی گئی کہ وہ طویل المیعاد تجویز کو منظور کرلے۔ مشن نے یقین دلایا کہ عبوری حکومت کے خیال کو ترک کر دیا جائیگا۔ اب پھر یہ حالت پیدا ہو گئی کہ جس طرح ڈوبنے والا انسان تنکے کا سہارا بھی لے لیا کرتا ہے۔ اسی طرح مشن نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے قطعی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا ——— وائسرائے اور وزارتی مشن کے ارکان کی عزت، عظمت اور کیرکٹر کے خلاف یہ شدید الزام ہے۔ اور میں مطالبہ کرتا ہوں کہ وائسرائے اس کا واضح جواب عطا کریں۔

اس قسم کے تمام امور اس حقیقت کا اعلان واضح طور پر کر رہے ہیں کہ مسئلہ ہندوستان کا حل پاکستان اور صرف پاکستان ہے۔ جبتک کانگرس اور مسٹر گاندھی یہ دعویٰ کرتے رہیں گے کہ ہم سارے ہندوستان کے نمائندہ ہیں، اور جبتک کانگرس مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنا روپیہ خرچ کرتی رہے گی۔ اور ایسے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہے گی جنہیں عزت، وقار اور اخلاق کا کوئی احساس نہیں جو ان چیزوں کو رشوت پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور جو روپیہ اور عہدوں کے بھوکے ہیں۔ جب تک کانگرس اس حقیقت سے انکاری ہے کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ انجمن مسلم لیگ ہے تب تک کوئی سمجھوتہ یا کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ اور ہم آزادی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

کانگریس کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ وہ سارے ہندوستان کی نمائندہ ہے۔ دستور ساز اسمبلی کی ۹۰ مسلم نشستوں میں سے کانگریس صرف تین حاصل کر سکی۔ اسی طرح کانگریسی اُمیدوار یوپی کے صوبائی الیکشنوں میں تین حلقوں کی طرف سے کھڑا ہوا اور اسے ہر جگہ ٹھوکریں مار مار کر ہٹا دیا گیا۔

گاندھی جی فرماتے ہیں کانگریس سارے ہندوستان کی ٹرسٹی ہے۔ یہ ایک اضطراب انگیز معیار ہے جو وہ طلب کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے ہم ایک ٹرسٹی کا کافی تجربہ کر چکے ہیں۔ جو ڈیڑھ سو سال سے یہاں موجود ہے۔ ہم کانگریس کو ٹرسٹی نہیں بنانا چاہتے۔ ہم بالغ ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی واحد ٹرسٹی ملّت اسلامیہ ہے۔ گاندھی جی ہریجنوں کے خود ساختہ ٹرسٹی ہیں کیا وہ دیانتداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہریجنوں کو اُن پر اعتماد ہے؟ چھ کروڑ ہریجن ناگفتہ بہ نحوستوں میں مبتلا ہیں۔ گاندھی جی نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اچھوت ستیہ گرہ کر رہے ہیں اور جیل جا رہے ہیں۔ وزارتی مشن نے کانگریسی دیوی کو خوش رکھنے کے لئے ہریجنوں کے ساتھ بھی غداری کی ہے۔

قائدِ اعظم

کی اختتامی تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں
۲۹ ر جولائی ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی

کی قربانی بھی دے دی۔ لیگ نے رضا کارانہ طور پر تین صیغہ جات مرکزی یونین کی تحویل میں دے دیئے۔ اور ایسا کرتے ہیں اس نے کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا۔ لیگ نے اپنی جانب سے یہ مراعات دے کر اعلیٰ تدبر اور بلند سیاسی فراست کا ثبوت دیا۔

ہماری خواہش صرف یہ تھی کہ ہندوستان کے حالات اتنے ابتر نہ ہونے پائیں کہ یہاں خون ریزی اور خانہ جنگی کی نوبت آجائے۔ ہم ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں ہم نے دوسرے بڑے فریق سے پُرامن مفاہمت کی خاطر اپنی جانب سے یہ قربانی پیش کی کہ تین شعبے مرکز کے حوالے کر دیئے۔ اور اس طرح ایک محدود پاکستان قبول کر لیا۔ لیکن مسلم لیگ کی اس رواداری اور مصالحہ روش کا جواب اسے غرور و تکبر سے ہی نہیں بلکہ نفرت سے دیا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب کانگریس کی طرف سے ایسا مکارانہ رویہ ہی دیکھنے میں آیا ہو تو کیا دانشمندانہ، منصفانہ اور دیانت دارانہ رویہ اختیار کرنا ہمارے لئے ہی فرض قرار دیا گیا ہے؟۔ کانگریس کی طرف سے سمجھوتہ کا معمولی سا اشارہ تک نہ ہُوا۔

آج اسلامی ہند کی تاریخ میں پہلی دفعہ مسلمانان ہند کے دلوں میں کانگریس اور برطانیہ کے عدم تدبر کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے۔ ہمیں اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ یہ صورت حال

اسلامی ہند کے لئے ایک نیک فال ثابت ہوگی۔ ہمیں ایک نہایت تلخ تجربہ حاصل ہوا ہے اور میری رائے میں ایسا تلخ سبق ہمیں آج تک کبھی نہیں ملا تھا۔ اب سمجھوتہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لہذا۔

"آگے بڑھیں!"

حضرات! لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند نے دارالامراء میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ عارضی حکومت میں مسلم نمائندوں کی نامزدگیوں کی اجارہ داری مسٹر جناح کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ اتنی ذمہ دار پوزیشن کا مالک ہوتے ہوئے وزیر ہند نے کس مصلحت کے پیش نظر اس قدر احمقانہ بات کہی؟ کیا انہیں ہر انگریز پر اجارہ داری حاصل ہے؟ آج جب کہ ان کی حکومت کو صرف ساٹھ فی صدی برطانوی عوام کی تائید حاصل ہے تو وہ کس منہ سے تمام برطانوی عوام کی نمائندگی کا دم بھرتے ہیں اور ان کی طرف سے کوئی اعلان کر سکتے ہیں؟ ہم کسی صورت میں یہ گوارا نہیں کریں گے کہ کانگریس ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت کے لئے کسی مسلمان کو نرنگ کو نامزد کرے۔ برطانوی حکومت نے جان ایمری اور لارڈ ہاہا جیسے غداروں سے کیا کیا؟ انہوں نے ان کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا۔ اسی طرح کئی دوسرے انگریزوں کو بھی ملک کے خلاف بغاوت اور غداری کے جرم میں پھانسی دی گئی۔ میں کسی صورت

میں بھی کسی کو نہ ٹنگ کی نامزدگی برداشت نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں برطانوی مشن کے ذہن ماؤف ہو گئے تھے۔ ارکان مشن نے پارلیمان میں جو بیان دئے ان میں کسی دیانتداری سے بالکل کام نہ لیا گیا۔

اگر تم امن کے متلاشی ہو تو ہم بھی جنگ کے خواہاں نہیں پائے جائیں گے۔

لیکن اگر تم جنگ کے لئے بے قرار ہو تو ہم اسے بھی بلا پس وپیش قبول کریں گے۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے جامعہ ملیہ دہلی کی پچیس سالہ جوبلی کی تقریب پر
۱۸ نومبر ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی۔

جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے دورِ آزمائش میں امیرِ جامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین اور اُن کے رفقائے کار نے جس عدیم النظیر حوصلے، استقلال اور جذبۂ قربانی کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔ مَیں اس پر ان کی خدمت میں پُرجوش ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔

مسلم انڈیا نے جامعہ ملّیہ اسلامیہ کو امداد دے کر اس حقیقت کا عملی ثبوت دیا ہے کہ جامعہ ان کا اپنا تعلیمی ادارہ ہے۔ اب جامعہ کے کارکنوں کو مالی پریشانیوں سے آزاد ہو کر کام کرنے کا موقع آئے گا۔ کیونکہ مسلمانوں کی امداد جامعہ کو برابر ملتی رہے گی۔ اور مخلصانہ تعاون حاصل ہوتا رہے گا۔

جامعہ ملّیہ اسلامیہ شاہراہ ترقی پر تیزی سے گامزن ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں کی قومی انسٹیٹیوٹ ہے۔ جامعہ ملّیہ اسلامیہ مسلم نیشنل تعلیم کی تحریک کا علمبردار ادارہ ہے۔ اور اس

کی مثال قابل تقلید ہے۔ اُمید ہے دوسرے صوبے اس نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم کریں گے۔

آپ[1] نے جس ادارے کی تعمیر کی ہے وہ اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ یہ انسٹیچیوٹ بچوں کے لئے صحیح قسم کی تعلیم مہیا کرتا ہے۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ آپ کا دورِ آزمائش ختم ہو گیا ہے اور آج مسلمان اپنے بچوں کو صحیح نوعیت کی تعلیم دلانے کے لئے آپ کے گرد جمع ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں آپ پر اس حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں کہ ماضی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے متعلق عوام اور خواص سب میں متعدد غلط فہمیاں موجود ہیں۔ ان غلط فہمیوں کے ازالہ میں کچھ وقت ضرور صرف ہوگا۔ بایں ہمہ ازالہ شکوک و شبہات کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے طریقِ عمل سے ثابت کریں کہ غلط فہمیاں حقائق اور واقعات پر مبنی نہیں ہیں۔

بدقسمتی سے اب تک اسلامی ہند مُردہ تھا۔ تاہم اس ٹھوس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ ملّت اسلامیہ ہندیہ میں عظیم بیداری رُونما ہو چکی ہے۔ جس کا بہت کم لوگوں کو احساس ہے۔ اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ملّت اسلامیہ کی اس جلیل الشان نشاۃ ثانیہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ بہرکیف ہمیں تعلیم کی اہمیت کا احساس ہو چکا ہے۔ کہ تعلیم کے بغیر کوئی قوم عظمت اور رفعت حاصل نہیں کر سکتی۔ مجھے امید ہے کہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ فرزندانِ اسلام کی اہم ترین ضرورت

[1] ڈاکٹر ذاکر حسین امیر جامعہ۔

(تعلیم) کو بدرجۂ اتم پورا کر سکے گا اور انشاء اللہ ملّتِ اسلامیہ فخر کے ساتھ اعلان کر سکے گی کہ وہ تعلیم کے میدان میں کسی بڑی سے بڑی ترقی یافتہ قوم سے پیچھے نہیں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے پریس کانفرنس منعقدہ کراچی میں
۲۵ر نومبر ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمائی

سوال:- ہندوستان میں پُرامن فضا کیسے قائم کی جا سکتی ہے؟

قائداعظم:- ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو ہولناک قتل ہوئے ہیں ان کے پیش نظر میری پختہ رائے یہ ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکام کو فوراً آبادیوں کے تبادلہ کے سوال کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔ صرف اسی صورت میں ان علاقوں میں وحشیانہ کارروائیوں کے اعادہ کے امکانات کو ختم کیا جا سکتا ہے، جہاں بہت بڑی اکثریتوں نے معمولی اقلیتوں کا قتلِ عام کیا ہے۔

وائسرائے کو سب سے پہلے ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے ہر ممکن کارروائی کرنی چاہیئے۔ تاج کے نمائندہ اور گورنر جنرل کی حیثیت میں انہیں بہت اختیارات حاصل ہیں۔ موجودہ حالات میں انصاف، دانشمندی اور معقولیت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ایسے حالات میں گفت و شنید سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی ایسا سمجھوتہ ہو سکتا ہے جو دونوں

جماعتوں کے لئے قابل قبول ہو۔

سوال:۔ پنڈت نہرو کے نام وائسرائے کے خط میں اس امر کا ذکر کیا گیا ہے، کہ عارضی حکومت میں مسلم لیگ ایسی صورت میں شریک رہ سکتی ہے اگر وہ وزارتی مشن کی طویل المیعاد مفاہمت کی سکیم قبول کرلے۔

قائداعظم۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کانگرس نے وزارتی مشن کے ۱۶ مئی والے اس بیان کو کبھی تسلیم نہیں کیا جس کی مزید وضاحت ۲۵ مئی والے وزارتی بیان میں کی گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر گوپی ناتھ باردولائی کو جو خط لکھا (جس کا حوالہ میں نے وائسرائے کی طرف اپنے خط میں دیا ہے) اس میں انہوں نے بھی اس امر کی وضاحت کردی ہے۔ مسٹر گاندھی نے بھی یہی تاثرات پیش کئے ہیں۔ یہ اعلانات ۳ ستمبر اور ۲۳ اکتوبر کو کئے گئے تھے۔ علاوہ ازیں میں نے وائسرائے سے کسی مرحلہ پر بھی کوئی وعدہ نہیں کیا۔ میں نے ان سے صرف یہ کہا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل ہی طویل المیعاد مفاہمت کی سکیم پر غور کرنے اور اسکے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرنیکی مجاز ہے۔ شروع سے لیکر اس وقت تک جبکہ ہم نے عارضی حکومت کیلئے اپنے پانچ نمائندے نامزد کئے ہیں۔ میں وائسرائے کو یہی بتاتا رہا ہوں کہ طویل المیعاد مفاہمت کی سکیم اس وقت زیر غور لائی جاسکتی ہے جب کہ دونوں بڑی جماعتوں کے مراسم دوستانہ ہوجائینگے۔ کانگرس اپنی پوزیشن سے بالکل پیچھے نہیں ہٹی۔ وائسرائے نے بھی مجھے بارہا یہی بتایا کہ اس مسئلہ پر مزید تبادلہ خیالات کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ یہ امید نہیں کہ کانگرس کو اس چیز پر رضامند کیا جاسکے کہ وہ ۱۶ اور ۲۵ مئی کے بیانات

منظور کرنے کے حق میں غیر مبہم اعلان کر دے۔

سوال:۔ دستور ساز اسمبلی کے بارے میں مسلم لیگ کا رویہ کیا ہوگا۔

قائد اعظم۔ مَیں حیران ہُوں کہ موجودہ حالات میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بلانے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ملک کے مختلف حصوں میں وسیع پیمانہ پر قتل عام جاری ہے۔ دستور ساز اسمبلی کا انعقاد سراسر حماقت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ کانگرسی لیڈروں نے کانگرس کے اجلاس میرٹھ میں آگ کو مزید ہوا دینے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ جہانتک مسلم لیگ کے خلاف پنڈت نہرو کی حالیہ اشتعال انگیزیوں اور بے بنیاد الزامات کا تعلق ہے۔ مَیں انکے متعلق صرف یہی کہہ سکتا ہُوں کہ ان میں صداقت کا شمہ بھر بھی موجود نہیں۔ پنڈت نہرو نے موجودہ عہدہ سنبھالتے وقت دو حلف اُٹھائے تھے جنمیں پہلا شاہِ انگلستان سے وفاداری کا حلف تھا جب انہوں نے ہمیں "شاہی پارٹی" کا نام دیا اور ہمیں امپیریلسٹ برطانوی حکومت کا مؤید بتایا تو اُنکا مقصد سامعین سے ستائش حاصل کرنیکے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ الزامات حقیقت سے بالکل بعید ہیں۔ دوسرے ایک عام فہم و فراست کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن کی حیثیت میں موجودہ عہدے کا حلف اُٹھایا تھا اس امر کی بارہا وضاحت بھی ہو چکی ہے۔ وائسرائے نے ۲ ستمبر کے نشری اعلان میں بھی یہی کہا تھا کہ انہوں نے ۱۹۱۹ء کے آئین کے ماتحت عارضی حکومت قائم کی ہے۔ اور یہی آئین اب بھی جاری ہے۔ وائسرائے نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ روزمرہ کے انتظام حکومت میں ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دیں گے۔ اب اس حکومت کو "کابینہ" کہہ دینے سے اس حکومت کو آئینی طور پر کابینہ

ہرگز نہیں بنایا جا سکتا۔ نہ ہی اسے واہمہ کی قوت سے حقیقی کابینہ کے اختیارات تفویض کئے جا سکتے ہیں۔

یہ بالکل واضح امر ہے کہ ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کا انتخاب مختلف قوموں کے تناسب آبادی کی اساس پر ہوا ہے۔ جہاں تک روزمرہ کے نظم و نسق کا تعلق ہے یہ ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی شرائط کے ماتحت ہی کام کر سکتی ہے۔ ہر روز کے انتظام حکومت میں عوام کی بہتری کے لئے ایگزیکٹو کونسل کے یہ محدود اختیارات ہی بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔ اب پنڈت نہرو کی خیال آرائیاں ملاحظہ کیجئے۔ وہ تمام حقائق سے شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند رکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا وجود ہی نہیں۔ اپنے تخیلات کی دنیا میں وہ ایگزیکٹو کونسل کو صحیح معنوں میں ایسی قومی حکومت تصور کرتے ہیں جو عوام اور رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ ہو۔ وہ ہر شخص سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ انہی کی طرح سوچے۔ اگر پنڈت جی آسمان کی بجائے زمین پر اتر آئیں اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کی زحمت گوارا فرمائیں، تو انہیں معلوم ہو گا کہ وہ نہ تو وزیر اعظم ہیں اور نہ ہی کوئی نہروانی حکومت معرض وجود میں آئی ہوئی ہے۔ وہ صرف کامن ویلتھ اور امور خارجہ کے شعبہ کے رکن ہیں۔

جب تک پنڈت نہرو اور کانگرس یہ خیال کرتی رہے گی کہ عارضی حکومت میں انہیں جو اختیارات حاصل ہیں اُن سے وہ اپنی اکثریت یا سازشوں سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کر سکتے ہیں۔ یا آہستہ آہستہ ایسی کارروائی کر سکتے ہیں جو آئندہ آئین کے بارے میں سمجھوتہ پر ہمارے حق میں ناموافق اثر ڈالنے کا باعث ہو۔ اس

وقت تک مسلم لیگ ہر ایسی کوشش کا مقابلہ مردانہ وار کریگی اور اس طرح مستقبل کے متعلق سمجھوتہ ہونا بھی دشوار اور امر محال ہو جائیگا۔ پنڈت نہرو اور کانگرس مسلم لیگ کے نمائندوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ محکوموں کی حیثیت میں انکے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ لیکن ہم پنڈت نہرو یا کانگرس کے تابع فرمان نہیں ہو سکتے۔ جبتک کانگرس کی پالیسی یہ رہے گی کہ وہ عارضی حکومت میں اور حکومت کے باہر مطالبۂ پاکستان کو تارپیڈو کریگی اور جب تک کانگرس مسلم لیگ کی مساویانہ حیثیت تسلیم نہیں کرے گی۔ ہمارے لئے کانگرس کا مقابلہ کرنے سے احتراز مشکل ہوگا۔ کیونکہ ہم کانگرس کے ماتحت پوزیشن ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔

سوال:۔ وائسرائے نے بھی اپنی سرکاری خط وکتابت میں ایگزیکٹو کونسل کو کابینہ کے نام سے موسوم کیا ہے؟۔

قائد اعظم۔ وائسرائے پر بہت زور دیا گیا تھا۔ پنڈت نہرو لفظ "کابینہ" کے استعمال سے عشق رکھتے تھے۔ وائسرائے نے بھی یہ خیال کیا کہ اگر پنڈت نہرو صرف اس لفظ سے مطمئن ہو جائیں تو انہیں اس کے استعمال پر معترض ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں معمولی دماغوں کو ہی خوش کر سکتی ہیں۔ آپ ایک گدھے کو ہاتھی کا نام دے کر ہاتھی نہیں بنا سکتے۔

مسلم لیگ اقلیتوں کے حقوق کو بدستور محفوظ رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ ضروری ہے کہ ہم متحد ہو جائیں۔ اور ایسے حالات پیدا کر سکیں جن میں عوام کی فلاح وبہبود کا خیال رکھا جا سکے۔
